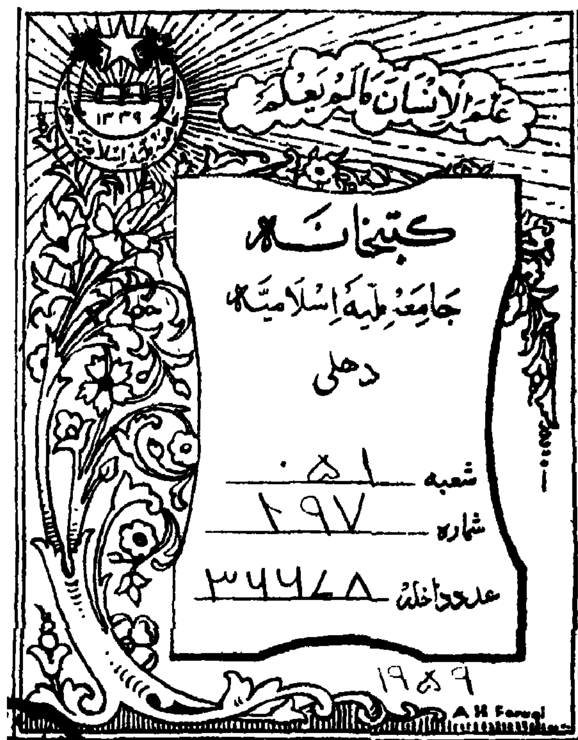

علم الانسان ما لم یعلم
۱۳۳۹
کتبخانہ
جامعہ ملیہ اسلامیہ
دہلی
شعبہ ۸۱۰
شمارہ ۲۹۷
عدد داخلہ ۳۶۶۷۸
۱۹۸۹
A H Faruqi

اورینٹل کالج میگزین

فروری

۱۹۵۹ء

اورینٹل کالج

میگزین

فروری ۱۹۵۹ء

جلد ۳۵ عدد ۲ عدد مسلسل ۱۳۶

ایڈیٹر :—

ڈاکٹر سیّد عبداللہ



باہتمام مسٹر احسان الحق، ہیڈ کلرک، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور
پرنٹر و پبلشر اورینٹل کالج میگزین، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور
میں طبع ہو کر اورینٹل کالج لاہور سے شائع ہوا۔

سالانہ چندہ : چار روپے

ترتیب

بی - ۳۶۴ پنجاب یونیورسٹی پریس—۳۰۰—۵۹-۴-۲۶

استنبول کے خزائن مخطوطات[1]

(۱)

مدت سے استنبول کے کتابخانوں کی تعریفیں سنتے تھے مگر ان کو دیکھنا خواب و خیال کی بات تھی، مگر اس سال حسن اتفاق سے ۲۵ ستمبر ۱۹۵۶ء سے ۴ اکتوبر ۱۹۵۶ء تک دس دن ان کتابخانوں میں گذارنے کا موقعہ ملا :

و کانت بالعراق لنا لیال
سرقناھن من ریب الزمان
جعلناھن تاریخ اللیالی
و عنوان المقاصد و الامانی

(رشید طبیب در لطائف الحقائق نسخہ استنبول)

مگر اتنی قلیل مدت میں کیا دیکھا جا سکتا تھا ؟ حق یہ ہے کہ تمام وقت اسی طرح سے گذرا کہ نظارہ جنبش مژگان سے گلہ دار تھا اور میں ضائع شدہ عمر پر بیحد متاسف، تلافی مافات میرے لئے تو ممکن نہ تھی مگر میں نے اسی وقت ارادہ کر لیا کہ ملت کو ان کتابخانوں کی طرف متوجہ کروں گا اور یہ پیغام ان تک پہنچادوں گا کہ :

جن اصحاب علم کو نوادر مخطوطات کی تصحیح و نشر کا شوق ہے ـــــ اور اس کے بغیر اسلامی تہذیب کی تاریخ مکمل صورت میں

---

(۱) خطبہ صدارت جو پاکستان اورنٹیل کانفرنس منعقدہ دسمبر ۱۹۵۶ء کے شعبۂ علوم اسلامی میں ۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء کو پڑھا گیا ۔

کیسے سامنے آ سکتی ہے—اور جو ہمارے ماضی کے شاندار علمی کارناموں کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، جو کسی خاص دور کی تاریخ کا مواد طلب کرتے ہیں، جو ہمارے عہد گذشتہ کے علم و فضل اور آرٹ کے تطوّر کے نمونے دیکھنا چاہتے ہیں ان کو جو کچھ اور جتنا استنبول میں یکجا مل سکتا ہے اس کو اَور جگہ ڈھونڈنے کی کوشش عبث ہے،

اس اجمال کی اب تفصیل عرض کرنا چاہتا ہوں :

کتابوں کے جمع کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کا شوق مسلمانوں میں قدیم الایام سے موجود رہا ہے - ابن ندیم (طبع فلوگل ص ۲۴۲) نے لکھا ہے کہ خالد بن معٰویہ (م ۸۰ھ) جسے ''حکیم آل مروان'' کہتے ہیں محبّ علوم تھا، وہ پہلا شخص ہے جس نے غیر زبانوں سے عربی میں ترجمہ کا کام شروع کرایا، اور مصر سے عربی دان یونانی فلسفیوں کی ایک جماعت کو بلوایا اور انہیں حکم دیا کہ یونانی اور قبطی زبانوں سے کیمیا کی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کریں - بنو العباس کے ابتدائی زمانہ ہی میں خصوصاً بعہد مامون مختلف ملکوں سے کتابیں جمع کی گئیں - مامون نے **بیت الحکمۃ** قایم کیا اور علوم قدیمہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوکر عام ہوگئیں- اس دور میں رومی زبان کے علاوہ فارسی، ''ہندی''، نبطی وغیرہ سے بھی کتابیں ترجمہ ہوئیں - بتدریج کتابوں کا شوق خلفاء کے علاوہ امراء و وزراء اور علماء تک پہنچا - چنانچہ تیسری صدی ہجری میں ابوھفّان المہزمی مؤرخ اور راویۂ مشہور نے لکھا کہ میں نے جاحظ [م ۲۵۵ھ/۸۶۹ء]، فتح بن خاقان [م ۲۴۷ھ/۸۶۱ء] اور قاضی اسمٰعیل بن اسحق مالکی [م ۲۸۲ھ/۸۹۵ء]

سے بڑھکر عاشق کتب و عاشق علوم نہ کسی کو دیکھا نہ سنا (**الفہرست** ۱۱٦) - فتح بن خاقان کے کتابخانے کے متعلق ابن ندیم ھی نے لکھا ھے کہ کتابوں کی کثرت اور خوبصورتی کے اعتبار سے اس کتابخانے سے بہتر کتابخانہ کسی نے نہ دیکھا ھوگا۔ چوتھی صدی ھجری میں اکثر بڑی بڑی مسجدون میں وقف کتابیں جمع ھونے لگیں - متعدد دارالعلم وجود میں آئے جہاں علاوہ درس و تدریس کے ''خزائن الحکمة'' یعنی علمی کتابخانے بھی تھے - عضدالدولہ دیلمی کے کتابخانۂ شیراز کا ذکر مقدسی (ص ۴۴۹) نے قدرے تفصیل سے کیا ھے - جس سے معلوم ھوتا ھے کہ اس کتابخانے کی الگ عمارت تھی، اس وقت تک کی جملہ تصنیفات اس کتابخانے میں جمع تھیں، وکیل و خازن و مشرف مقرر تھے - کتابیں 'خزائن' یا 'بیوت' یعنی الماریون میں چنی ھوئی تھیں ، مگر صرف اھل وجاھت ھی اس کتابخانے میں جا سکتے تھے - اس کی دو فہرستیں تھیں جن میں کتابوں کے نام درج تھے - اس صدی کے اواخر میں قرطبہ، قاھرہ، اور بغداد تینوں دارالخلافوں میں ایسے خلفاء موجود تھے جو غایت درجہ کتاب دوست تھے[1] اس صدی کے آخر میں ''قرارة الکتب'' (یعنی کانون مخطوطات) بغداد ھی کو سمجھا جاتا تھا چنانچہ ثعالبی (**یتیمة الدھر** طبع اول ۴ : ۲۷٦) ابو نصر سہل بن مرزبان اصفہانی متوطن نیشاپور کے ترجمہ میں لکھتا ھے کہ وہ بار بار بغداد جا جا کر کتابیں خرید کر لاتا تھا اور نیشاپور میں اس کے سوا کسی کے ھاں جدید کتابیں نہ ملتی تھیں -

---

(۱) جاحظ کا ایک رسالہ بعنوان فی مدح الکتب والحب علی جمعہا کے لئے دیکھیں Z.D.M.G. بابت ۱۹۱۴ ص ۳۸۹ -

خلفاء کے علاوہ امراء نے بھی کتابخانے جمع کئے چنانچہ سامانیوں، غزنویوں، سلجوقیوں، خوارزم شاهیوں، ایوبیوں سبھی نے کتابخانے بنائے(۱) اٹھویں صدی هجری-چودھویں صدی میلادی میں قلقشندی نے **صبح الاعشی** م ۱: ۴۶۶ میں لکھا ھے کہ عالم اسلام کے بزرگ تریں کتابخانے تین تھے: (۱) **خلفاء بنی عباس کا کتابخانہ** جو بغداد میں تھا اور جس میں لا تعداد نفیس ترین کتابیں جمع تھیں۔ حملۂ تتار میں اس کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔

(۲) **فاطمیہ مصر کا کتابخانہ** جو عظیم ترین کتابخانوں میں سے تھا اور جس میں تمام علوم کی نفیس کتابیں جمع تھیں۔ آخری فاطمی خلیفہ العاضد کی وفات کے بعد دولت فاطمی ختم هوگئی تو سلطان صلاح الدین کے وزیر القاضی الفاضل [عبدالرحیم .ن علی البیسانی (م۵۹٦ھ/ ۱۲۰۰ع)] نے اس کتابخانے کی اکثر کتابیں خرید لیں اور مدرسۂ فاضلیہ قاهرہ پر جو قاضی مذکور نے بنایا تھا وقف کردیں، پھر بتدریج اس مدرسہ کی کتابیں لوگوں نے اڑالیں اور قلقشندی کے زمانے (چودھویں صدی عیسوی) کے آخر میں اس میں تھوڑی ھی سی کتابیں باقی تھیں،

(۳) **اندلس کے بنو امیہ کا کتابخانہ** یہ بھی بزرگ ترین کتابخانوں میں سے تھا۔ جب ملوک طوائف کا غلبہ هوا تو یہ کتابیں بکھر گئیں۔

---

(۱) ملاحظہ هو تتمة صوان الحکمة جسمیں علی بن زید بیہقی (م ۵٦۵) نے ذیل کے کتابخانوں کا ذکر کیا ھے (ان میں سے بعض کی کتابوں کو اس نے خود بھی دیکھا تھا) : خزانۂ خوارزم شاہ مامون بن محمد (م ۴۰۷) تتمة ص ۸۸؛ خزانة السلطان الاعظم سنجر (ایضاً ص ۹٦)؛ خزانۂ عزیز الدین فقاعی در مرو (حواشی تتمة ص ۱۹۴)؛ خزانة کتب نقیب البقاء بالری (تتمة ص ۱۷)؛ خزانة النظامیه بنیسابور (تتمة ص ۹۴ و ۹٦)۔

هو سکتا ہے کہ مذکور بالا بے حساب علمی دولت کا کچھ حصہ سابقہ ترکی ولایات مصر، شام، اور عراق عرب کے راستے استنبول میں بھی پہنچا ہو۔ بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ آج نہ صرف عالم اسلام میں بلکہ دنیا بھر میں عربی، فارسی اور ترکی مخطوطات کا جتنا بڑا ذخیرہ استنبول میں موجود ہے اور کہیں نہیں ہے۔ پروفیسر احمد زکی ولیدی طوغان نے مجھے بتایا کہ ان مخطوطات کی تعداد ایک لاکھ پنتیس هزار ہے۔ ترک مورخین اس بارے میں خاموش هیں کہ یہ ذخائر کیسے جمع هوئے، لیکن چونکہ آل عثمان کی فتوحات بحر خزر سے لیکر بحر اٹلانٹک تک پھیلی هوئی تھیں گمان کیا گیا ہے کہ اپنی کتاب دوستی کی وجہ سے ان بادشاهوں نے ان ممالک کے بعض ذخائر کتب کو محفوظ کر کے اپنی بنا کردہ مسجدوں اور مدرسوں پر وقف کر دیا۔ مگر اس کے علاوہ اور ذرائع سے بھی ان کے هاں کتابیں جمع هوئیں، مثلاً هم جانتے هیں کہ سلاطین عثمانی اور ان کے امراء و وزراء اور ''شیوخ اسلام'' کی قدر دانی اور داد و دهش کی وجہ سے بہت سی کتابیں خود مصنفین نے ان کے لئے لکھیں یا ان کو بھیجیں مثلاً عبدالقادر مراغی (م ۸۳۸ھ) نے سلطان مراد ثانی کے لئے موسیقی پر ایک کتاب لکھی اور ۸۲۶ھ میں وہ شخصی طور پر اسے پیش کرنے کے لئے سلطان کی خدمت میں حاضر هوا، اس کے بیٹے اور پوتے نے تو اپنے آپ کو عثمانی دربار سے وابستہ هی کر لیا اور ان تینوں کی تصانیف ''فن ادوار'' پر استنبول کے کتابخانہ نور عثمانیہ میں موجود هیں۔

مولانا جامی نے سلطان بایزید دوم کو اپنا کلیات بھیجا (**منشآت فریدون بیگ ۱ : ۳۶۱**) - **الشقائق النعمانیہ** میں کئی علماء و فضلاء

کا ذکر موجود ہے جنہوں نے آل عثمان کی سر پرستی سے فیض پایا۔ دوسرے سلاطین بھی اپنے ملک کے علماء کی کتابیں تحائف میں شامل کر کے بھیجتے ہوں گے۔ چنانچہ ان کتابخانوں میں ہندوستان کے فضلاء اور شعراء کی کتابیں مثلاً **مکتوبات امام ربانی** اور **رقعات بیدل** موجود ھیں۔ ممکن ہے وہ بھی شاید ایسے ھی ذرائع سے یہاں پہنچی ہوں۔

ان کتابخانوں میں عربی فارسی مخطوطات کے اس قدر قیمتی اور نایاب ذخیروں کو دیکھ کر انسان محو حیرت ہو جاتا ہے اور پہلا سوال ذہن میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کتابیں اتنی صدیوں تک حرق و غرق سے کس طرح محفوظ رہیں؟ دیمک اور کتاب کے کیڑوں نے انہیں کس طرح چھوڑا ؟ اور کتاب دزدوں سے وہ کیونکر بچیں ؟ نم اور گرمی اور طرح طرح کے حوادث سے گذر چکنے کے بعد یہ کس طرح سے قابل استفادہ رہیں ؟ کیا ابو سعد عبدالرحمن بن محمد بن دوست نے یونہی کہدیا تھا :

علیک بالحفظ دون الجمع فی الکتب ۔ فان للکُتْب آفات تفرّقہا
الماء یُغرقہا و النار تُحرقہا و الفار یَخْرِقہا و اللص یَسرِقہا

حالانکہ اجیال گذشتہ کا یہ سرمایہ بجنسہ ہم تک پہنچ گیا ہے۔ لیکن تحقیق کے بعد یہ عقدہ کھلا کہ یہ گمان کہ ماضی کا سرمایہ بجنسہ ہم تک پہنچ گیا ہے بے بنیاد ہے۔ حدود ۱۸۸۲ء میں استنبول کے ایک فرانسیسی مجلّہ نے لکھا تھا کہ ان کتابخانوں سے بہت سے مخطوطات لوگوں نے مستعار لئے اور پھر واپس نہ دئے اور ان قیمتی نسخوں میں سے بعض دست بدست ہوتے ہوئے اوروپائی کتابخانوں میں پہنچ گئے۔ اُس کا اندازہ تھا کہ اُس کے زمانے میں ان نقصانات کے بعد

بھی صرف آٹھ کتابخانوں ھی میں (یعنی فاتح، ایاصوفیہ، سلیمیہ، سلیمانیہ، عثمانیہ، بایزید، اور ایوب میں) تقریباً ایک لاکھ مخطوطات ابھی باقی تھے جو علاوہ علوم اسلامی کے تاریخ، فلسفہ، شعر، اور ان تمام علوم قدیمہ سے متعلق تھے جن علوم سے بقول اس کے ''اروپائی تہذیب مأخوذ ھے''۔ اسی زمانے میں سلطان نے ایک عالم صالح افندی کو استنبول کے کتابخانوں کا انسپکٹر جنرل مقرر کیا ۔ جب اس فاضل نے کتابوں کا محاسبہ کیا تو معلوم ھوا کہ بہت سی کتابیں غائب ھو چکی تھیں۔ سلطان عبدالمجید (۱۸۳۹-۱۸۶۱) کے زمانے میں عمارت کی مرمت کے وقت ایک کتاب خانے کے مخطوطات مسجد سلطان احمد کے تہ خانے میں رکھے گئے مگر یہ تمام مخطوطات نم سے ناقابل استفادہ ھو گئے (شرح ابن یعیش بر مفصل زمخشری، طبع یان Jahn، لپزگ ۱۸۸۲ء، دیباچہ ناشر کا ضمیمہ ص ۱۴ ببعد) ۔

اس بیان سے معلوم ھوتا ھے کہ انیسویں صدی کے حدود میں ایک عرصہ تک ان کتابخانوں سے غفلت برتی گئی اور ۱۸۸۲ء کے قریب ان کی طرف دوبارہ توجہ دی گئی اور فہرستیں مرتب کی گئیں ۔ مرحوم مولانا شبلی صاحب سفر نامہ مصر و شام و روم اس سے دس سال بعد استنبول پہنچے اور ان کتابخانوں کی زیارت کی۔

مولانا کے زمانے کے مقابلے میں اب حالات بہت بہتر ھیں کتابخانوں کی عمارتیں سنگین، عمدہ، اور خاصی روشن ھیں اور بجلی کی روشنی بھی موجود ھے، کتاب دار اور فراش مقرر ھیں ۔ جو کتابخانے میں نے دیکھے انمیں کرسی، میز وغیرہ سامان موجود پایا ۔ ایاصوفیہ میں صوفے بھی ھیں۔ اب مخطوطات کے ذخیرے مطالعہ کے کمروں سے

الگ ہیں۔ قاری مطالعہ کے کمرےمیں پہنچ کرحسب معمول کتابدار کو چٹ دیتا ہے اور وہ کتاب منگوا کر حاضر کر دیتا ہے ۔ مولانا شبلی کو شکایت تھی کہ اسلامی مدارس کے طالب علم اور دیگر قارئین فقط مشہور و متداول مذہبی کتابوں ہی کا مطالعہ کرتے تھے ۔ اب یہ صورت بھی باق نہ تھی ۔ رسم خط کے بدل جانے سے اب عربی فارسی مخطوطات کے مطالعہ کرنے والے اہل ملک کم تھے لیکن انقلاب ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۳ء کے بعد یہ ضرور ہوا ہے کہ چند متخصصین کے نزدیک عربی فارسی کی عمدہ کتابوں کی قدر پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے اور انہوں نے عربی فارسی کتابوں کی تصحیح و نشر کا کام بہت اہتمام سے کرنا شروع کر دیا ہے بالخصوص اپنی تاریخ کے مواد پر بہت توجہ صرف کی ہے ۔

استنبول کے قیمتی خزانوں سے پورا انتفاع تھوڑے سے وقت میں اسی صورت میں ممکن ہے جب مغربی طرز کی عمومی، جامع، مفصل، فہرست اس سارے ذخیرہ کی موجود ہو ۔ سوء اتفاق سے وہ موجود نہیں ۔ شعر ترکی کے مخطوطات کی فہرست کے چند کراسے طبع ہو چکے ہیں مگر عربی فارسی مخطوطات کی مفصل فہرست یا فہرستیں خدا جانے کب تالیف اور طبع ہونگی اس باب میں پراگ کے پروفیسر فیلکس ٹاور Felix Tauer نے لکھا ہے :

”مذکورہ بالا کتاب خانے صحیح معنی میں علم و ادب کے خزانے ہیں، دنیا کے کسی حصے کو لیں کہیں بھی کسی ایک شہر میں فارسی، عربی اور ترکی کے اتنے مخطوطات نہ ملیں گے جتنے استنبول میں ہیں مگر بدبختی سے ان کتابخانوں کے محتویات کے

صحیح علم کے حصول کے لئے سامان موجود نہیں - یہ سچ ہے کہ اکثر وقف کتابخانوں کے مطبوعہ 'دفاتر' (یعنی فہرستیں) موجود ہیں مگر یہ دفاتر اس وقت سے تقریباً ۴۰ سال پہلے طبع ہوئے تھے [دفاتر مذکور ۱۳۰۰ھ اور ۱۳۱۲ھ کے درمیان طبع ہوئے یعنی ۱۹۵۶ء سے ساٹھ ستر سال پہلے] مگر یہ صرف ناموں کی فہرستیں ہیں جو بہت غیر صحیح اور فاحش اغلاط سے پُر ہیں - ان کے سوا کچھ قلمی فہرستیں بھی ہیں، مگر یونیورسٹی لائبریری کی فہرست کے سوا یہ کچھ زیادہ اچھی نہیں ہیں، خصوصاً عربی فارسی مخطوطوں کے کوائف ان میں غلط بیان ہوئے ہیں، خیر استنبول کے عربی مخطوطات کے متعلق تو بہت مواد شائع ہو چکا ہے مگر عام فارسی مخطوطات پر اب تک صرف پال هارن Paul Horn کا مقالہ ہی طبع ہوا ہے اور اس نے بھی چند مستثنیات کے علاوہ ''دفاتر'' ہی کی بنا پر مخطوطات تو (صرف) مضمون وار مرتب کر دیا ہے لہذا تمام غلطیاں جو ''دفاتر'' میں ہیں پال هارن کے مقالہ میں بھی موجود ہیں '' (Journal of the Czechoslovak Oriental Institute, Prague Vol. III Nos. I & V پراگ ۱۹۳۱ ص ۸۷) - جن چالیس 'دفاتر' کا ذکر پروفیسر فیلکس ٹاور نے کیا ہے ان کا کوئی نسخہ مجھے ستمبر گذشتہ میں کتاب فروشوں کے ہاں نہ ملا وہ اب کلیۃً نایاب ہوگئے ہیں - البتہ استنبول کے کتابخانوں میں وہ موجود تھے - پال هارن کی فہرست جس کا ذکر پروفیسر ٹاور نے کیا ہے جرمن رسالہ Z.D.M.G. کی جلد بابت سنہ ۱۹۰۰ء میں دو قسطوں میں شائع ہوئی تھی، اس میں ۱۰۳۶ نسخوں کا ذکر ہے، پروفیسر فیلکس ٹاور نے استنبول کے کتابخانوں میں ۵۵۰ کتب تاریخ ایسی پائیں جن کی زبان فارسی ہے - موصوف نے چند مقالوں میں ان کا حال لکھ کر

پراگ میں شائع کیا، پروفیسر ٹاور نے صحیح کہا ھے کہ استنبول کے عربی مخطوطات پر نسبةً زیادہ کام ہوا ھے، پروفیسر ریشر O. Rescher (۱) نے ۱۹۱۰ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیان ان مخطوطات کی سات فہرستیں حواشی کے ساتھ مجلہ .Z.D.M.G اور دیگر رسالوں میں طبع کیں، یہ فہرستیں بیشتر کتب صرف و نحو، لغت و ادب، تاریخ و فقہ سے متعلق ھیں اور کتابخانہ ھای کوپریلی، یکی جامع، نور عثمانیہ توپ قاپو سرای، مسجد لالہ لی اور فیضیہ میں موجود ھیں۔ ریشر (.Z.D.M.G بابت ۱۹۱۰ء ص ۴۸۹ ج ۱) نے استنبول کے عرب مخطوطات کی پانچ اور فہرستوں کا ذکر کیا ھے جو اس سے پہلے علماء فرنگ نے مرتب کیں، بلاؤ Blau (م ۱۸۶۹) نے اپنی فہرست کو مجلہ .Z.D.M.G شمارہ ۸۷ میں شائع کیا، روڈوکناکس Rhodokonakis نے تین مخطوطات کا حال *Nöldeke Festschrift* (۱: ۳۸۵ میں) لکھا، ھورووٹز Horoivtz نے صرف عربی تاریخی مخطوطات کا حال بیان کیا (*Westasiatische Studien*, '1907) اسی طرح بقول ریشر (محل مذکور) سوس ھائم Süssheim (۲)

---

(۱) اس فاضل مصنف سے اسی سفر میں استنبول میں ملاقات ہوئی -

(۲) Süssheim نے اناطولیہ کے کتابخانوں (بروسہ، قونیہ، مغنیسیا) کا حال بھی .*Beitr* مذکور میں لکھا - دیکھیں *Manuale* : Gabrieli' رومہ ۱۹۱۶ ص ۱۲۵۰' اور .*Z.D.M.G* بابت ۱۹۱۰ ج ۱ ص ۴۸۹-اماسیہ کے کتابخانے کے ۳۲ نوادر کا حال استاذ احمد آتش نے مجلہ تاریخ وثیقہ لری استنبول اگست ۱۹۵۵ء میں شائع کیا ھے، بعنوان انادولو کتب خانہ لرندن مہم بزمہ آثرلر : (اماسیہ) شاید اس سلسلے میں اور مضامین بھی بعد میں شائع ہوئے ہوں - کتابخانۂ راغب پاشا استنبول کی فہرست سنہ ۱۳۱۰' میں طبع ہوگئی تھی مگر اس کے بعض عربی نوادر کا حال جناب احمد تورک نے نشریات مجموعہ سی جلد ۲ طبع استنبول ۱۹۵۸' ص ۹۱ تا ۱۰۳ میں شائع کیا -

آقای زکی ولیدی طوغان نے اسلام تتقیق لری اینسٹیوتوسی در گینی بابت ۱۹۵۷-۱۹۵۶' ج ۲ حصہ ۱ ص ۵۹ تا ۸۹ میں ذیل کے کتابخانوں کے بعض نوادر کا حال لکھا :

انقرہ - دل تاریخ و جغرافیہ فیکلتی سی کتبخانہ سی (استنبول) - قیصریہ (راشد آفندی کتب خانہ) - فخری بلگہ سی -

نے بھی عربی مخطوطات کا حال *Beit. zur kenntnis des Orients* میں لکھا۔
ان لوگوں کے بعد کتب حدیث پر میکس وائس وائلر Max Weisweiler
نے *Istanbuler Handschriftenstudien zur Arabischen traditions*
پر اپنی کتاب استنبول سے ۱۹۳۷ع میں شائع کی، اور فہمی ادھم اور
ایوان شُوکین Ivan Stchoukine نے کتابخانہ دانش گاہ استنبول
کے مصور نسخوں کا حال ۱۹۳۰ع میں پیرس سے شائع کیا، اور
ھنری ھاورڈ Henery Howard نے ۱۹۳۶ع میں *Journal of the*
American Orienial Society ص ۲۲۷ تا ۲۴۶ میں ایک
مقالہ شائع کیا بعنوان : *Preliminary Materials for a Survey*
of the Libraries and Archives of Istanbul - مسٹر وقار احمد
ھمذانی نے *Some Rare Manuscripts in Instanbul.* کے
عنوان سے ۱۹۳۸ع کے *JRAS* میں ایک مختصر مقالہ عربی
و فارسی مخطوطات پر لکھا ، پروفیسر شپیز O. Spies نے بھی
Stambular Hdss. پر ایک رسالہ لکھا ھے (براکلمان، تکملہ ۲ :
۲۲۸ و ۳۱۶) - اس میں عربی زبان کے ان نوادر مخطوطات کا حال دیا
ھے جو تاریخ وغیرہ سے متعلق ھیں اور کتب خانہ ھای استنبول میں موجود
ھیں ۔ دوسری جنگ عالمی میں اس کتاب کے نسخے جل گئے ۔
اور اب نایاب ھیں ۔ میکس کراوزے Max Krause نے ان مخطوطات
استنبول پر ایک مقالہ لکھا ھے جو ریاضی سے متعلق ھیں بعنوان :
Stambuler Hss. Islamischer Mathematiker Quellen u. Stn. Zur Geschichte der Mathem., Astron., u. Phys. در
'Abh. B. Stu. Bd 3, Heft 4.

جب ۱۹۰۱ع میں مستشرقون کی بین الاقوامی کانگریس استنبول

میں منعقد ہوئی تو وہاں کے نوادر مخطوطات کی ایک مختصر مگر مفید فہرست بقید اسم کتابخانہ ارکان کانگرس کے لئیے مرتب کی گئی جو ۳۸ صفحوں پر ختم ہوئی اور استنبول میں سنہ ۱۹۵۱ میں طبع و نشر ہوئی ، اسکا عنوان ہے : *Istanbul Umumia Kütüphanelerī Yazmalari Sergisi.*

یونیسکو نے تین پروفیسروں کی ایک کمیٹی مقرر کی ہے جسمیں پروفیسر رٹر ، استاد احمد آتش اور پروفیسر ڈوڈا شامل ہیں پروفیسر رٹر کمیٹی کے صدر ہیں۔ وہ دواوین و مجموعہ ہای شعر فارسی کے ان مخطوطوں کی فہرست تیار کر رہے ہیں جو استنبول کے کتابخانوں میں موجود ہیں۔ ستمبر ۱۹۵۶ع میں میں نے ان کو استنبول کے کتابخانوں میں مصروف کار پایا۔ [سنہ ۱۹۵۸ء میں پروفیسر رٹر نے مجھسے استنبول میں بتایا کہ فہرست مرتب ہوگئی ہے مگر یونیسکو ابھی اسکی طباعت کیلئیے تیار نہیں]

دانشگاہ تہران فاضل کے پروفیسر آقای مجتبٰی مینوی بھی چودہ پندرہ مہینے(۱) سے استنبول میں مقیم ہیں اور حکومت ایران کے صرف سے عربی فارسی کے نادر اور منتخب مخطوطات کی نقلیں مائکرو فلم کے ذریعہ لے رہے ہیں، جب میں ان سے ملا تو وہ تقریباً ۸۰۰ نقلیں لے چکے تھے اور ان نسخوں کی مفصل فہرست تالیف کرنے کے لئیے عالمانہ طریق پر مواد بھی فراہم کر رہے تھے۔ استنبول کو ''شہر مخطوطات،، کہنا غالباً انھی کی ایجاد ہے۔

---

(۱) در ۱۹۵۶ء؛ ۱۹۵۸ء میں وہ سفارت خانہ کبرای ایران انقرہ میں بعض سرکاری فرائض سرانجام دے رہے تھے اور مینے سنا تھا کہ فرصت میں فطرت کی فلم گیری کا کام بھی کررہے تھے - دانش گاہ تہران کے مجلہ دانشکدۂ ادبیات بابت اکتوبر ۱۹۵۵ء و دسمبر ۱۹۵۷ء میں انہوں نے بعض نوادر کا حال بھی لکھا ہے۔

غرض استنبول کے کتابخانوں میں اسلامی دنیا کے علم و فضل کے صدیوں پرانے آثار ہزاروں ایسے نادر مخطوطات کی صورت میں موجود ہیں جن کا اور ملکوں میں سراغ تک بھی نہیں ملتا، کامل و مکمل، صاف و خوشخط، مستند و معتبر، مضبوط و صحیح - استنبول کے استاذ محمد فواد سزگین کا اندازہ ہے کہ استنبول میں ''پانچسو سے سات سو تک'' مخطوطات عربی و فارسی و ترکی ایسے ہیں جو مصنفین کے خود نوشتہ ہیں؛ بیسیوں نسخے مصنف کے خطوط سے نقل ہوئے ہیں اور مصنفوں نے خود ان کی صحت کی تصدیق کی ہے، بیسیوں نسخے نامور کاتبوں کے خط میں ہیں۔ پھر تجلید و تذہیب اور تصویر کے نادر ترین نمونے بھی موجود ہیں ایسے کہ ان کو دیکھکر آدمی عش عش کر اٹھے، آنکھوں کا نور، دل کا سرور، کتاب و ہاتھ سے رکھنے کو جی نہ چاہے - چند مثالیں سنئے :

جب لین Lane نے قاہرہ میں بیٹھ کر اپنی لغت **مدالقاموس** مرتب کی تو اس کو صاغانی کی **عُباب** اور **تکملۂ صحاح** کے مطالعہ کی ضرورت پڑی - اسے معلوم ہوا کہ ایک کتابخانے میں دونو نسخے موجود ہیں - مگر دریافت کرنے پر کتابدار نے بتایا کہ دونو کتابیں غائب ہیں - چوری گئیں یا لوٹ میں جاتی رہیں - اس لئے کہ صاحب **تاج العروس** نے مستعار لی تھیں اور وہ فوت ہوئے تو ان کی کتابیں لٹ گئیں ان میں یہ دونو کتابیں بھی گئیں - مگر آج **عُباب** کی ایک خوشخط مشکول جلد استنبول میں موجود ہے اور **تکملۂ صحاح** کا نفیس اور کامل نسخہ بھی وہاں ہے -

الاغانی للاصفہانی مورخ ۵۲۶ھ وہاں ہے، ابن منظور (م ۷۱۱ھ)

صاحب لسان العرب نے مختار الاغانی لکھی جس میں اس نے اغانی کے تراجم کو الفبائی ترتیب سے اضافات کے ساتھ از سر نو مرتب کیا۔ یہ نسخہ بخط ابن منظور استنبول میں ہے مگر افسوس کہ جلد ۱ و ۵ و ۶ و ۸ موجود نہیں۔ جلد ۳ ساری کی ساری ابو نواس کے ترجمہ پر مشتمل ہے۔ اصفہانی نے ابو نواس کا ترجمۂ مفردہ نہیں لکھا اس لئے ابن منظور نے یہ ترجمہ خود لکھ ڈالا۔ جلد ۴ کے اخر میں تاریخ تعلیق ۶۷۹ھ دی ہے، براکلمن (تکملہ ۱ : ۲۲۶) نے اس کتاب کے اور نسخوں کا بھی پتہ دیا ہے۔ ثعالبی کی کئی کتابیں استنبول میں موجود ھیں مثلاً : التمثیل والمحاضرۃ (نقل در ۸۰۹ھ از نسخۂ محررہ در ۵۷۶ھ ایا صوفیہ میں ہے)، غرر البلاغۃ، کنز الکتّاب، یواقیت المواقیت اور رسائل (نقل ۱۰۲۸) - کتاب الانساب لابی سعد عبدالکریم السمعانی و قفیۂ گیب نے عکسی چھاپی لیکن اصل نسخہ ایسا تھا کہ اس سے پورا استفادہ بہت مشکل ہے، استنبول میں نفیس کامل نسخہ موجود ہے اور اس کا منتخب بھی (در طوپ قاپو)، ان کے علاوہ سمعانی کی [1] ادب الاملاء والاستملاء بھی ہے (در فیضیہ، براکلمن : تکملہ ۱ : ۵۶۰)۔

تمثال الامثال جمال الدین محمد بن علی القرشی المکی الشافعی کا عمدہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں ہے، مگر اس کا عمدہ نسخہ استنبول میں بھی ہے۔

ابو علی الفارسی کی کتاب الایضاح ھبۃ اللہ بن الحسن الکاتب کے خط میں نقل ہوئی، اس نے اپنا نسخہ ایسے اصل سے نقل کیا جو

---

(۱) اس کتاب کو میکس وائس وائلر نے ۱۹۵۲ء میں لیڈن سے شائع بھی کردیا ہے

جوالیقی کے خط میں تھا اور جوالیقی اس کتاب کو ابو زکریا تبریزی سے روایت کرتا ہے اور نسخہ مقروٗۃ پر ابوزکریا کی تصدیق بدین مضمون درج تھی کہ وہ نسخہ ۲۸۸ میں مدینۃ السلام میں اُسے پڑھ کر سنایا گیا (قرئی علیہ)۔

اسرار الحکماء ایک رسالہ یاقوت المستعصمی خطاط مشہور نے نصائح اور تصوف کے مضامین پر تصنیف کیا یہاں وہ یا قوت کے اپنے خط میں موجود ہے۔ تحریر ۶۸۶ھ، نہایت نفیس چرمی جلد میں مجلد، جس پر زرحل اور لاجورد کے نقش بنے ہوئے ہیں، حاجی خلیفہ نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ **بساتین الفضلاء و ریاحین العقلاء** **تاریخ یمینی** کی شرح ہے جسے حمیدالدین النَجاتی النیسابوری شاگردِ علامہ قطب‌الدین شیرازی نے ۷۰۹ھ میں ختم کیا۔ نسخہٗ استنبول نسخہٗ مصنف سے نقل ہوا اور اسے علاء ابیوردی نے ۱۰ جمادی الاخرٰی ۷۳۳ھ میں ربع رشیدی، تبریز سے خریدا(۱)۔ صفدی کی **الوافی بالوفیات** (۷ جلد، در نور عثمانیہ)، ابوعبیدالقاسم کی **غریب الحدیث** (نقل ۵۹۶ھ، در کوپریلی) اور اسی کی **کتاب الامثال** (در کوپریلی) اور **شرح کتاب الامثال** للسکری تینوں کے عمدہ نسخے یہاں ہیں۔ **نقائض** جریر و الاخطل کا قدیم نسخہ اور دواوین زمخشری و کشاجم و الصاحب ابن‌عباد اور المعتز باللہ بھی‌ہیں، دیوان‌المعتز کا نسخہ ابو فراس الھمدانی کے کتابخانے کا ہے۔ ایک مجموعہ دیوان **لقیط الایادی** اور **الحادرۃ** اور

---

(۱) ربع رشیدی رشیدالدین طبیب نے آباد کیا تھا جمادی‌الاول ۷۱۸ھ میں رشید مقتول ہوا اور ربع رشیدی لوٹ لیا گیا، عجب نہیں کہ یہ نسخہ رشید الدین کے کتابخانے کا ہو جو لوٹ کے بعد فروخت ہوا۔ النجاتی کا خود نوشتہ نسخہ اسکوریال میں ہے (تکملۂ براکلمن ۱ : ۵۳۸)۔

لامیۃ العرب کا ہے محررہ ۸۲۹ھ جو ہرات میں یاقوت مستعصمی کے خط سے نقل ہوا۔ محمد بن ابراہیم الانصاری الواطواط الکتبی (م ۷۱۸) کی **غرر الخصائص الواضحۃ وعرر النقائص الفاضحۃ** النحاس کی شرح **معلقات** اور **رسائل الخوارزمی** اور **رسائل السیوطی** اور **المختار من رسائل ابی اسحاق الصابی** اور **مجموعۃ رسائل ابی ہلال العسکری** اور **معجم الصحابہ** لابن قانع (م ۳۵۱) جس کے ''اوہام وتصحیف،، کے خلاف ابن فتحون مالکی نے اپنا رسالہ لکھا (**تکملہ بر اکلمن** ۱ : ۲۷۹) ، اور **نزھۃ المشتاق** للادریسی یہ سب موجود ہیں۔ البیرونی کی **آثار الباقیۃ** کا نسخۂ نفیسہ کتابخانۂ بایزید میں ہے جس کی مدد سے کتاب کے مطبوعہ اڈیشن کو بعد تصحیح دوبارہ شائع کرنا چاہئے، اور اس طرح **احوال الھند** (در کوپریلی) اور **القانون المسعودی** (در بایزید) کے عمدہ نسخے بھی یہیں ہیں۔ بیہقی کی **تتمۃ صوان الحکمۃ** کو یہیں کے تین نسخوں کی مدد سے بعد تصحیح لاہور میں طبع کیا گیا تھا۔ یہاں اس کا ایک چوتھا نسخہ بھی نظر آیا۔ بعض اور نوادر یہ ہیں :

ذیل تاریخ الذہبی ، الحافظ الشیخ ولی الدین احمد العراقی کے والد حافظ عبدالرحیم العراقی (م ۸۰۶) نے **العبر** للذہبی کا **ذیل** لکھا تھا ، یہ کتاب اس کا ذیل ہے اور ۷۶۲ھ تا ۷۸۶ھ کے حوادث پر مشتمل اور خط مصنف سے منقول ہے (در کوپریلی)؛ **رأس مال الندیم** لاحمد بن علی بن بانی مورخ تحریر ۵۳۹ھ در نور عثمانیہ، دوسرا نسخہ در یکی جامع (براکلمن **تکملہ** ۱ : ۵۸۶)، اس میں تاریخی وقائع درج ہیں : **مرآۃ الزمان فی تاریخ اہل الزمان** لسبط ابن الجوزی مکمل نسخہ (در مدیریہ اوقاف)؛ **عقد الجمان** لبدرالدین العینی بخط

مصنف (در ولی الدین)؛ **ابانه عن سرقات ابی الطیب المتنبی**ؔ تالیف ابی سعد محمد بن احمد العمیدی م ۴۳۳ھ، قدیم نسخه جو عجب نہیں که بخط مصنف هو ۔

فارسی مخطوطات میں سے چند نوادر یه هیں :

طبقات المشایخ خواجه عبدالله انصاری کا خوشخط نسخه (محرره ۸۳۹ھ، عهد شاهرخ)؛ **جامع العلوم** امام فخررازی (مورخ در ۹۰۴ھ)؛ **رحیق التحقیق** مثنوی مبارک شاه غوری (ایا صوفیه کے ایک مجموعه میں)؛ ابن اسحق کی سیرۃ رسول‌الله اور غزالی کی احیاء علوم الدین کے فارسی ترجمے ۔

چنگیز خانیوں اور تیموریوں(۱) کے متعلق مواد کی افراط ہے ۔ تاریخ چنگیز خانی عربی (نقل ۸۰۷) کے علاوہ رشیدالدین فضل الله وزیر کی متعدد کتابوں کے عمده نسخے هیں مثلاً :

جامع التواریخ (عربی و فارسی)؛ **شعب پنجگانه** (یعنی نسب نامهؔ آل چنگیز وغیره) منحصر بفرد نسخه؛ **فوائد رشیدیه** (یکی جامع)؛ **بیان الحقائق** (عربی و فارسی)؛ **لطائف الحقائق** (ایا صوفیه)؛ **کتاب الاسوله والاجوبة الرشیدیة** جس میں معقولات و منقولات پر سوال اور رشید طبیب کے جواب هیں، تالیف نظام یزدی از ملازمان رشید ۔

ان کے علاوه شمس کاشانی کا **شهنامهؔ چنگیزی** (در مدیریه اوقاف) ہے اور **مهمان خانهؔ بخارا** از فضل‌الدین روز بهان مشتهر بخواجه مولانا اصفهانی، اس میں محمد شیبانی خان کے عهد کی تاریخ ہے

(۱) تب : Walther-Hinz *Quellenstudien zur Geschichte der Timuriden* در *Z.D.M.G.* جلد ۹ (۱۹۳۶ء) ص ۳۵۷ ،

(نسخه منحصر بفرد)؛ حافظ ابرو کی **زبدة التواریخ** اور **ذیل جامع التواریخ** (در نور عثمانیه)؛ **مطلع سعدین** کے نسخون میں سے جو یہاں هیں شاید اهم‌ترین جلد دوم کا نسخه هے جو سلیمیه ادرنه میں هے - تاج سلمانی کی **تاریخ تیمور** جو اواخر عهد تیمور اور ابندای عهد شاهرخ کی تاریخ هے اهم کتاب هے- اس کے یہاں دو نسخے هین (دیکھیں ثاور Tauer شماره ۴۱۴ و ۴۱۵)-

سلطان احمد بن خاوند شاه حسینی کا **ظفر نامه** جو ابوالفتح بدیع الزمان بهادر خان کے حکم سے تالیف هوا (در فاتح؛ ثاور Tauer ۴۲۰، غالباً منحصر بفرد نسخه)-

اسی زمانے کے لئے مفید مواد کتب ذیل میں مل سکتا هے جو یہاں موجود هیں :

جوامع الانشاء از هروی جس میں ابو سعید مرزا کا فتح نامه، سلطان حسین بایقرا اور حسن بیگ کی مکاتبت، اور اسی زمانے کے اور بہت سے مکتوب هیں (در نور عثمانیه)؛ **منشئات** از زمان شاهرخ تا ابوسعید مرزا (مورخ در ۸۸۶ھ، در کتابخانهٔ یونیورسٹی)؛ **دستور الکاتب لتعیین المراتب** از هندو شاه نخچوانی تالیف بنام اویس بن بهادر خان جلائری (م۷۷۷) (**کشف الظنون** ۱ : ۴۹۲) (در ایا صوفیا)؛ **دیوان امیری**، اس میں بایسنغر اور علاءالدوله کی مدح میں قصائد بھی هیں، نهایت نفیس نسخه (در ایا صوفیا)؛ **اشعار خواجه ابوالوفاء خوارزمی**[1] (م۸۳۵؛ معاصر شاهرخ، در کتابخانه موزهٔ همایون)؛

---

(۱) رک برای وی به مطلع سعدین جلد ۲ جزء ۳ : ۱۱۰۴ -

مکارم اخلاق از کمال‌الدین حسینی خوارزمی (م ۸۴۰) شارح **مثنوی مولانا روم** بزمان شاهرخ (یہ کتاب امیر شاہ ملک کے لئے لکھی گئی ـ)؛ **کتاب التشریح** چینی اناٹومی Anatomy کے مضمون پر فارسی میں، مصور نسخہ جو ۷۱۳ھ میں تبریز میں نقل ہوا؛ **مجموعۃالرسائل** از نعمان الدین خوارزمی امام امیر تیمور؛ حمداللہ قزوینی کے **ظفرنامہ** کا حال کچھ عرصہ ہوا برٹش میوزیم کے نسخہ کی بنا پر ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین میں شائع کیا گیا تھا؛ میوزیم میں اسے منحصر بفرد قرار دیا گیا ہے ـ مگر اس کے دو نفیس قدیم نسخے مدیریۂ اوقاف (تورک اسلام اثرلر موزہ سی) میں ہیں؛ **فرائد غیاثی** کے دو ہی ناتمام نسخے میرے علم میں تھے، یہاں ۸۲۱ھ کا ایک نسخہ بظاہر مکمل موجود ہے ـ **میخانہ** کے دو ناقص الاول نسخے ہندوستان میں ملے تھے، یہاں کامل نسخہ موجود ہے،

یہ مخطوطات مختلف کتابخانوں میں ہیں ـ مدیریہ اوقاف میں قرآن مجید کے بہت سے قدیم الخط نسخے ابتدائی اسلامی خطوط میں ہیں اور فارسی عربی کے مصور نسخوں کی ایک کثیر تعداد موجود ہے ـ

توپ قاپو سرای میں بایسنغر بن شاہرخ مرزا، یعقوب مرزا آق قوینلو، اور بہرام مرزا صفوی کے مرقعات اور جُنگ تصاویر ہیں ـ

اس داستان کو کہاں تک طول دیا جائے اور آپ کے حسن سماعت سے کہاں تک فائدہ اٹھایا جائے ؟ مخطوطات کے علاوہ استنبول میں خزینۂ اوراق و اسناد (Archioes) بھی ہے جس میں آل عثمان کی تاریخ اور ثقافت کا نہایت اہم مواد موجود ہے ـ حکومت ترکیہ پر اور اہل علم پر ان مخطوطات اور دیگر علمی مواد کی مفصل

اور جامع فہرستیں مرتب کرنے کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ ایسی فہرستوں کے بغیر ترکی اور اسلامی بلکہ عالمی ثقافت اور ادب کی تاریخ کے متعلق تحقیقات ہمیشہ نامکمل رہے گی۔

ہمارے نقطۂ نظر سے بیحد ضروری ہے کہ مائکروفلم کے ذریعہ ان کتابخانوں کے منتخب نوادر عربی و فارسی کے نقول حاصل کئے جائیں۔ مگر یہ کام بغیر حکومت کی اعانت کے سرانجام نہیں پا سکتا۔ اس لئے اہل ملک کو حکومت پاکستان کی توجہ اس طرف منعطف کرنا ضروری ہے۔ تقریباً ۶۴ برس ہوئے مولانا شبلی مرحوم نے اپنے سفرنامہ مصر و شام و روم میں اس تجویز پر بہت زور دیا تھا کہ قسطنطنیہ اور مصر سے کتابوں کی نقلیں منگوائی جائیں۔ مگر اس وقت حالات موافق نہ تھے اور یہ کام بہت مشکل تھا۔ آج اپنی حکومت ہے اور مائکروفلم نے اس کا فنی پہلو آسان کر دیا ہے۔ صرف احساس ضرورت اور توجہ ارباب اختیار شرط ہے تاکہ یہ تجویز عملی صورت اختیار کرے۔

باقی آیندہ

محمد شفیع

اورینٹل کالج میگزین، فروری ۱۹۵۹ء، صفحہ ۲۰ کے لیے

زیادات

ص ۱۱، سطر قبل آخر: پروفیسر رٹر (H. Ritter) نے مجلۂ Oriens، جلد ۲، شمارہ ۲، ص ۲۳۶ تا ۳۱۴ میں اناطولیہ اور استنبول کے مخطوطات کا حال دیا ہے بعنوان:

Philologua : XII Arabische Handschriften in Anatolia und Istanbul.

ص ۱۲، حاشیہ (۱): بجای "و دسمبر ۱۹۵۷" "جنوری و دسمبر ۱۹۵۷" پڑھیے۔

ڈاکٹر نذیر احمد
(مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

نادرالعصر استاد احمد

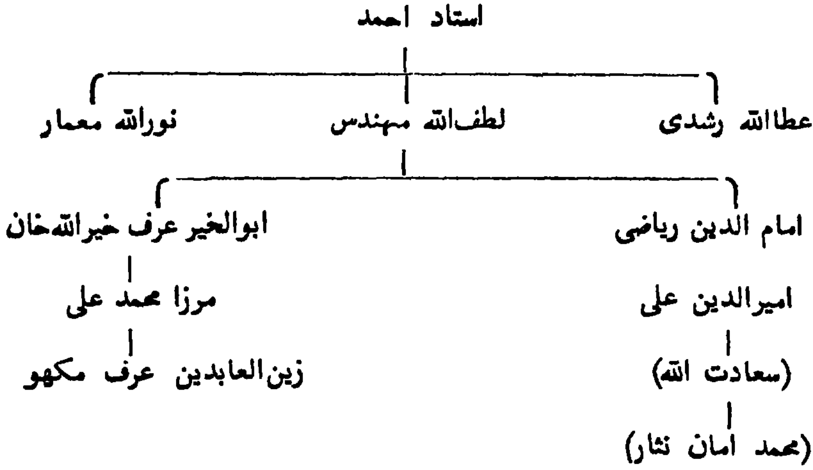
معمار قلعہ دھلی و روضہ تاج محل[1] کے خاندان کے متعلق بعض اضافے

استاد احمد شاھجہانی عہد کا ممتاز ترین مہندس اور معمار تھا - اسکے توسط سے اس دور کی مشہور عمارتیں وجود مین آئین - اس پر سب کا اتفاق ھے کہ قلعۂ دھلی اسکے کمال صناعی کا نتیجہ ھے اور بعض معتبر علما روضۂ تاج محل کو بھی اس کے کمال کی یادگار بتاتے ھیں - اسکے اور اسکے خاندان کے متعلق کافی لکھا جا چکا ھے - مگر ابھی لکھنے کی گنجائش باقی ھے - اب تک استاد احمد کے خانوادے کا آخری فرد جسکا نام بالیقین اور تسلسل کے ساتھ معلوم ھو سکا ھے وہ میرزا محمد علی ھے - مجھے اسکے بیٹے زین العابدین عرف مکھو کا نام معلوم ھوگیا ھے - اسکے ساتھ ھی بعض اور معلومات

---

(۱) مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم تاج محل کو استاد احمد کے کمال کا نتیجہ بتاتے ھیں - مگر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کو تأمل ھے - میں نے بعض تحریروں میں ڈاکٹر صاحب کو سید صاحب کا ھم خیال لکھدیا تھا اس کے لئے میں ڈاکٹر صاحب سے معذرت خواہ ھوں - اس مضمون کے مواد کی فراھمی میں ڈاکٹر مختارالدین احمد کی کوشش کو بڑا دخل ھے راقم ان کا ممنون احسان ھے -

دستیاب ہوگئی ہیں جنکو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ استاد احمد کا شجرہ یہ ہے۔



ابوالخیر استاد احمد کا پوتا تھا۔ اسکی پانچ نثری تصانیف کا تعارف ہو چکا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعر بھی تھا اور غالباً معنی تخلص کرتا تھا۔ غالباً اسلئے کہ خود ابوالخیر کے رسالے قانون الوفق کے دونوں نسخوں میں ''المتخلص بہ معنی الوفائی'' پایا جاتا ہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ وفائی کا معنی سے کیا رشتہ ہے۔

ابوالخیر کا لقب ابوالمعالی تھا۔

رسالہ قانون الوفق کے دو نسخے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتاب خانے میں موجود ہیں۔ (۱) احسن مارہروی کے کلکشن میں (شمارہ اع ۵۲) ایک اور رسالے کے ساتھ محفوظ ہے (۲) سبحان اللہ کے کلکشن مین شمارہ ۲۹۷ع ۶۶/ کے ذیل میں۔ پہلا نسخہ ناقص الآخر اور سترہ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرا کامل ہے اور پندرہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

قانون الوفق ایک مقدمه دو باب اور خاتمے پر مشتمل ہے۔ چند ابتدائی سطریں درج ذیل ھیں ۔

حمد بیحد احدے را که اعداد عوام بشر را از عدم در نقشۂ وجود جلوه گر نمود و شکر بے عدد صمدے را که بر افراد خواص انسان کمل خزاین و ابواب سر لاریب(۱) کشود....... اما بعد واضح می گرداند بندۂ خاکسار ابوالخیر ملقب بابوالمعالی المتخلص بمعنی الوفائی بن لطف الله المشتهر بمهندس غفرالله له و لوالدیه و احسن الیهما و الیه که این قواعد چند است در وفق اعداد که براے طالبان این فن بطریق یادگار بر صفحه روزگار ثبت افتاد در عهد بادشاه جرم بخش عذر پذیر شاه عالمگیر خلدالله ملکه و سلطانه و افاض علی العالمین بره و احسانه فی سنه الف و تسع و تسعین من هجرة سیدالمرسلین صل، یارب، علیه و نام این رساله قانون الوفق مقرر گشت و منقسم شد بر یک مقدمه و دو باب و خاتمه ۔ مقدمه و آن مشتمل است بر دو فصل فصل اول در اسماے چیزهاے که موقوف است بر بعضے مطالب(۲) مبنی بر اصطلاح قوم و مصطلح خاص این فقیر الخ ۔

قانون الوفق ابوالخیر کی دریافت شده کتابوں میں سب سے قدیم ثابت ہوتی ہے ۔ اسکی پہلی کتاب شرح زیج جدید محمد شاهی ۱۱۴۰ھ کی ہے ۔ اور قانون الوفق ۱۰۹۹ هجری یعنی اس سے ۴۱ سال قبل مکمل

(۱) نسخه دوم : بی ریب ۔
(۲) نسخه دوم : از مطالب ۔

ھوئی ۔ آخری کتاب تقریب التحریر ۱۱۶۱ ھجری کی ھے گویا اس اعتبار سے ابوالخیر کی تصنیف و تالیف کا زمانہ ۶۲ سال سے زیادہ ھو جاتا ھے ۔ اگر قانون الوفق کی تحریر کے وقت اسکی عمر پچیس سال تسلیم کر لی جائے تو ۱۱۶۱ ھجری مین وہ ستاسی سال کا ھوگا۔

ابوالخیر کے لڑکے محمد علی کی ایک مزید کتاب مقدمہ التقویم مولانا حبیب‌الرحمن خان صاحب شیروانی (حبیب گنج علی گڑھ) کے کتابخانے مین (شمارہ ۹/۲۰ ۔ نمبر سلسلہ ۱۹۳۸ء ۔ فن ریاضی و نجوم فارسی) محفوظ ھے ۔ یہ رسالہ دو باب پر مشتمل ھے اور ھر باب میں چند فصلیں ھیں ۔ کل صفحات ۵۹ اور ھر صفحے میں ۱۱ سطریں ھیں۔ کاتب محمد علی کا فرزند زین‌العابدین عرف مکھو ھے ۔ لطف یہ ھے کہ باپ نے یہ رسالہ اسی لڑکے کیلئے لکھا تھا ۔ رسالے کے بعض ضروری اقتباس درج ذیل ھین :—

''اما بعد این مختصرے است در علم ھیئت براے تعلم مبتدیان کہ بشناختن تقویم شوق دارند و طالب علم احکام اند و این کار موقوف بر علم ھیئت است و خواندن کتاب مبسوط را مدت مدید می باید لھذا انچہ در معرفت تقویم اول باید دانست نوشت و مسمٰی بہ مقدمۃالتقویم ساخت امید از فضل الھی آنست کہ فرزند ارجمند زین‌العابدین سلمہ‌اللہ تعالی و ابقاہ بحرمت سمی سید اولاد الرسول و نخل‌البتول ازین مختصر فائدہ بردارد و ھم دیگر کسے کہ شوق بعلم تنجیم دارد یابد و انا الکاتب العبد محمد علی الریاضی بن خیراللہ خان بن لطف‌اللہ المھندس غفراللہ لہ ولوالدیہ و احسن الیھما و الیہ'' ۔

''انحطاط آفتاب زیادہ از ہژدہ درجہ نخواہد بود چنانچہ عم فقیر امام الدین در شرح رسالۂ اوقات نماز کہ از مصنفات جدی مرحوم است بہ بسط تمام این مقدمہ بیان کردہ اند،،

ترقیمہ یہ ہے۔

''از تحریر این کتاب مستطاب مسمٰی بہ مقدمۃالتقویم در علم تنجیم یکے از مصنفات والدی و استادی میرزا محمدعلی ابن خیراللہ خان مہندس ابن لطف‌اللہ بر دست احقرالعباد زین‌العابدین عرف مکہو اللهم انفع؟ لہ بہذہ الرسالہ آمین بتاریخ بیست و ہفتم رجب‌المرجب ۱۱۷۹ ہجری۔،،

ان تحریرات سے حسب ذیل نتیجے نکلتے ہیں۔

(۱) محمد علی بھی ریاضی میں دستگاہ رکھنے کی وجہ سے اپنے کو الریاضی نسبت سے یاد کرتا ہے۔

(۲) محمد علی نے کتاب تقریب التحریر کا مسودہ صاف کر کے قابل اشاعت بنایا اور اسپر دیباچہ لکھا تھا۔ اسکے علاوہ اسکی ایک عربی کتاب 'تخریج نصف‌النہار' کا ذکر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے کیا تھا۔ مقدمۃالتقویم اسکی دوسری تصنیف ہوئی زین‌العابدین نے ترقیمے میں اسکی کتابوں کا ذکر بصیغۂ جمع (مصنفات والدی) کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اور چند کتابوں کا مصنف رہا ہو۔

(۳) مرزا محمد علی اپنے بیٹے زین‌العابدین کا استاد بھی رہ چکا تھا۔

(۴) اس رسالہ میں املا وغیرہ کی بعض خامیاں پائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے زین‌العابدین نے طالبعلمی میں اسکی کتابت کی ہو۔ ۱۱۷۹ ہجری میں اس کی علمی زندگی شروع نہ ہوئی ہوگی۔ اسکا دادا کم سے کم ۱۱۶۱ ہجری تک تصنیف میں مصروف تھا۔ دادا اور پوتے کی علمی زندگی میں ۱۸ سال کا فرق کم معلوم ہوتا ہے۔

(۵) محمد علی کے دادا یعنی لطف‌اللہ مہندس کی تصانیف میں رسالۂ اوقات نماز کا اضافہ ہوا۔ (از مصنفات جدی مرحوم)۔

(۶) محمد علی کے چچا امام الدین ریاضی کی تصانیف میں ایک شرح یعنی شرح رسالۂ اوقات نماز بھی تھی۔

مظفر ملک (ایم - اے)

شاہ عالم آفتاب

وہ لوگ جو حکومت و سلطنت کے علاوہ اقلیم سخن کے بھی تاجور ہوئے ہیں انکی فہرست میں شاہ عالم ثانی بھی شامل ہیں ذیل میں ہم ان کے حالات اور کلام پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں ۔

حالات۔ 'میرزا عبداللہ' نام، بچپن میں 'لال میاں' اور 'میرزا بلاکی' اور جوان ہوکر 'شہزادہ عالی گہر' کہلاتے تھے۔ جب بادشاہ ہوئے تو ''ابوالمظفر جلال الدین محمد شاہ عالم ثانی'' لقب اختیار کیا ۔ انکے والد عزیزالدین عالم گیر ثانی، دادا معزالدین جہاندار شاہ، اور پردادا شاہ عالم اول تھے۔ ماں کا نام بی ننھی تھا، جو ان کی صغر سنی میں انتقال کر گئیں اسلئے نواب زینت محل نے گود لے لیا (۱) ۱۷ ذی قعد سنہ ۱۱۴۰ھ مطابق ۱۴ جون سنہ ۱۷۲۸ء کو پیدا ہوئے ۔ انکی پیدائش کے وقت عالم گیر ثانی، فرخ سیر کی قید میں تھے (۲) عمر کے پچیس سال باپ کے ساتھ قید و بند میں گذرے (۳)۔ ۲۹ نومبر سنہ۱۷۵۹ء مطابق ۸ ربیع الثانی سنہ ۱۱۷۳ھ انکے والد (عالم گیر ثانی) قتل کردئیے گئے (۴) ۔ ان دنوں یہ پٹنہ میں تھے، وھیں ۲۴ دسمبر

---

(۱) سیرالمتاخرین جلد دوم ص ۵۹ و تذکرۃالشعراء محسن علی محسن (قلمی) بحوالہ دیباچہ نادرات شاھی (عرشی) مطبوعہ ھندوستان پریس رام پور ۱۹۴۴ - ص ۵ ، ۶

(۲) واقعات اظفری ص ۸ ؍ د مفتاح التواریخ ص ۲۹۸

(۳) میر حیات اور شاعری (احمد فاروقی) ص ۱۸۸

(۴) سیرالمتاخرین جلد سوم (ص ۹۲۸) مطبوعہ نولکشور

سنه۱۷۵۹ء مطابق ۴ جمادی‌الاول سنه ۱۱۷۳ھ اپنی تخت نشینی کا اعلان کیا۔ مگر ۲۹ رمضان‌المبارک سنه۱۱۸۵ھ (۲۵ دسمبر سنه ۱۷۷۱ء) تک دهلی آنا نصیب نه هوا (۱)۔ سنه۱۷۶۵ء مطابق سنه ۶ جلوس میں بنگال، بہار اور اڑیسه کی دیوانی بعوضی چهبیس لاکه روپے سالانه انگریزوں کو عطا کرچکے تھے (۲)۔ سنه ۱۷۸۹ء کو غلام قادر روهیلے کے هاتھوں آنکھیں ضائع هوگئیں (۳)۔ مگر مادهوجی سیندهیا کی بدولت تخت دوباره نصیب هوگیا۔ اور نو لاکه روپیه سالانه وظیفه مقرر هوا۔ اگرچه فی‌الحقیقت ستره هزار روپیه سالانه سے زیاده کبھی نہیں ملے (۴)۔ سنه ۱۸۰۳ء میں جب لارڈ لیک نے دهلی کو فتح کیا تو ذاتی املاک کے علاوه ایک لاکه روپیه وظیفه اخراجات خاصه کے طور پر مقرر هوگیا۔ اور قلعه میں پابند کردئیے گئے۔ ۷ رمضان سنه ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۹ نومبر سنه ۱۸۰۶ء قید زندگی و پابندی فرنگ سے نجات هوگئی ''فردوس مکاں شاه عالم بادشاه'' سے تاریخ وفات نکلتی هے (۵)۔

شاه عالم، فارسی، اردو، هندی (بهاشا) اور پنجابی کی نظم و نثر پر قدرت رکھتے تھے۔ مجموعه نغز میں ان کے سنسکرت جاننے کا

---

(۱) وقائع عالم شاهی میں دلی آنے کی یاد میں نرسنگھ داس خوشدل کا یه قطعه تاریخ مندرج هے :-

هر سر اهل شاهجهاں آباد
سایه گستر و ظل سبحانی
روز تشریف بست و نه رمضان
سال تاریخ عید رمضانی

(۲) سیرالمتاخرین

(۳) تاریخ عبرت افترا (خیرالدین) ص ۲۶

(۴) بحواله ٹوائی لائٹ آف دی مغلز

(۵) خمخانه جاوید ج ا ص ۱۰۶

بھی ذکر ہے۔ نادرات شاھی کے دیباچہ میں عرشی نے انکی ترکی دانی کا بھی اظفری کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ فارسی و اردو میں 'آفتاب' و بھاشا میں 'شاہ عالم' تخلص تھا۔ لیکن اس اصول پر باقاعدگی سے عمل نہیں کیا۔ بعض اوقات اردو اور فارسی کلام میں بھی ''شاہ عالم'' استعمال کیا ہے اور کہیں کہیں 'بحر' کی مجبوری کی بنا پر ''خورشید'' بھی استعمال کیا ہے۔

(۱) رکھتا ہے ھوس بوسے کی تیرے **شاہ عالم**
پاوے گا بہت تیرے اس انعام سے لذت

(۲) بحق تاج رسل رھیو اے **شہ عالم**
ازل نلک تیرا قائم ھمیشہ تخت اور تاج

(۳) توصیف کوئی کرسکے کیا اے **شہ عالم**
رتبہ ہے ترے شعر کا گفتار سے عالی

(۴) ایک ذرہ تسلی نہ ھو **خورشید** جہاں کو
اک بوسہ بھی جب تک اسے انعام نہ ھوگا

(۵) نامم کہ درین بحر نہ گنجد ز بلندی
هم معنی **خورشید** بلفظ دگری بود (۱)

فارسی میں مرزا محمد فاخر مکین سے مشورہ سخن تھا (۲)، اردو میں بقول آزاد، سودا سے اصلاح لیتے تھے (۳)، لیکن یہ درست نہیں، کیونکہ سودا سنہ ۱۱٦۷ھ میں دلی سے فرخ آباد جا چکے تھے (۴). اور جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، شاہ عالم ثانی سنہ ۱۱۸۵ھ میں دھلی آئے

---

(۱) نادرات شاھی
(۲) نشتر عشق ص ٦۵۵ (ا،ب)
(۳) آبحیات ص ۱۳۹
(۴) سودا (شیخ چاند ص ۵۰)

مشورۂ سخن بذریعہ خط و کتابت اس عہد میں رائج نہ تھا لہذا اس کا احتمال نہیں (۱)۔

تصنیفات :— دیوان فارسی، ابھی تک طبع نہیں ہوا ۔ ایک نسخہ بہار ریسرچ سوسائٹی پٹنہ اور دوسرا برٹش میوزیم لنڈن میں موجود ہے دونوں مذکورۃالصدر دیوانوں کے مطلع‌جات حسب ذیل ہیں(۲) :

(۱) الہی از کرم چون پادشاہی دادۂ مارا
مطیع حکم ما از لطف کن اقلیم دلہا را
(۲) خداوندا برافروزان بنور خود چراغم را
لبالب از شراب معرفت گردان اياغم را

دیوان اردو :— آزاد(۳) اور سری رام(۴) نے چار دیوانوں کا ذکر کیا ہے ۔ اب ان کا کوئی سراغ نہیں اشپرنگر صرف ایک دیوان کا ذکر کرتا ہے(۵) جس کا مطلع یہ تھا —

کیجئے ہمدم، بھلا کیوں کر نہ شکوہ یار کا؟
ہم تو بندے اسکے ہوں وہ یار ہو اغیار کا

منظوم اقدس :—(اردو زبان میں مثنوی) و قصہ شاہ شجاع الشمس (نثر) دونوں نایاب ہیں۔

---

(۱) نادرات شاہی کے مقدمہ میں مولانا عرشی رقم طراز ہیں "....بنابریں یہ مسئلہ ہنوز فیصلہ طلب ہے - اس سلسلے میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ سودا کے کلیات میں صرف ایک قصیدہ شاہ عالم کی مدح میں ہے - اگر رشتہ استادی شاگردی ان میں ہوتا، تو ایک سے زیادہ بار مدح و ثنا کا موقعہ پیش آنا چاہئے تھا" صفحہ ۳۵ -

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ نادرات شاہی -

(۳) آب حیات صفحہ ۸۰ حاشیہ -

(۴) خمخانہ جاوید ج ۱ صفحہ ۱۰۶ -

(۵) بحوالہ مقدمہ نادرات شاہی -

نادرات شاهی :- یه شاہ عالم کے اردو، فارسی، ہندی اور پنجابی اشعار کا مجموعہ ہے یہ نام خود شاہ عالم کا تجویز کردہ ہے ؎

مود آپاوے چت کو سبے رسن کو دھام
نادرات شاھی دھریو یا پوتھی کو نام(۱)

خاتمہ کی رباعی سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۲۱۲ھ میں یہ مجموعہ مرتب کیا گیا :-

این نسخہ کہ ہست جامع جملہ علوم
گردید بحکم شاۂ عالم مرقوم
اثنا عشر از احادهم بود مآت
۱۲۱۲ھ کیں گشت بہ نادرات شاهی موسوم

یہ نسخہ حسب الحکم فرمانروائے رامپور و بہ تصحیح امتیاز علی خان عرشی سنہ ۱۹۴۴ھ میں طبع ہوا۔ موصوف نے ایک مبسوط تبصرہ بھی ساتھ شامل کر دیا تھا جو بہت بصیرت افروز ہے۔ غالباً اس کے دوبارہ طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ اور اب نایاب ہے۔

مجموعہ زیر نظر اور شاہ عالم ثانی کے دوسرے کلام کے مطالعہ سے (جو مختلف ذرائع سے ہم تک پہنچا ہے) ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ اظہار جذبات مین وہ میر اور درد کے ہم پایہ ہیں۔ اور قدرت سخن اور کلام میں تنوع کے لحاظ سے ان کا مقابلہ سودا اور انشاء سے کیا جا سکتا ہے۔ بیان کی سادگی اور دلآویزی ان کا خاص جوہر ہیں۔ جو کچھ انکے دل مین آتا ہے اسے سیدھے سادے الفاظ میں بلا تکلف اس طرح ادا کر جاتے ہیں کہ

(۱) نادرات شاہی صفحہ ۳۰۹ -

اسکی مثال اردو شاعری میں ممکن نہیں ۔ یہ ہندی اور پنجابی طرز ادا کا اثر ہے ۔ ان کا کلام ایہام سے بالکل پاک ہے ۔ جابجا اپنے خاندان کے افراد اور اپنے عہد کی مختلف رسوم کا ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا کلام زیادہ دلچسپ اور آگہی افزا ہوگیا ہے ۔ اس میں اردو فارسی غزلیات کے علاوہ سٹھنے، ہولی، دوہڑہ، کبت، حمد، نعت، مہدی وغیرہ شامل ہین ۔ اس مجموعہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ جا بجا ان راگون کے نام اور تال دے دیئے گئے ہیں جن پر ان مخصوص اصناف سخن کو گایا جا سکتا ہے ۔ وہ لوگ جو موسیقی مین درک رکھتے ہیں اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں ۔

غزل ریختہ

شاہ عالم آفتاب کی غزلیات روانی، درد اور تاثیر کے لحاظ سے شاہکار ہیں ۔ کوثر و تسنیم میں دُھلی ہوئی قلعہ معلی کی زبان کی لذت ملاحظہ ہو :—

پاتا نہین ہوں اور کسی کام سے لذت
جو کچھ کہ مین پاتا ہوں ترے نام سے لذت

کیفیتیں اس دیدۂ میگوں سے جو پائین
پائی نہ کبھی بادے سے اور جام سے لذت(۱)

ظاہر ہے تری نرگس مخمور سے مستی
ٹپکے ہے ترے لعل مے آشام سے لذت

---

(۱) کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں ۔ سودا

چشم تو پر ز مستی و جام تو پر ز مے
ساقی تو خود بگو کہ بنوشم کدام را

(اکبر منیر، پروفیسر)

پاتا هوں مزا بیکلی اور درد کا ایسا
پاوے هے کوئی جیسے که آرام سے لذت

رکھتا هے هوس بوسے کی تیرے شه عالم
پاوے کا بہت تیرے اس انعام سے لذت

کیا هو، اگر جو پیارا آ مجھ سے بات کر لے
آ کر گلے میں میرے الفت سے هات کر لے

پھر وہ هی گرمجوشی، الطاف و مہربانی
کرتا تھا آگے جتنی اب میرے سات کر لے

رم کرده دل همارے وحشی کے صید خاطر
آنکھوں کو کر قراول، کئی داؤ گھات کر لے

مجھ دل کی صبر و طاقت، هوش و خرد کی باری
اک کشت سے نگه کی فی‌الفور مات کر لے

مغرب مین زلف کے پھر دل آفتاب کالے
فرقت کے دن کو، 'اے مه'، وصلت کی رات کر لے

شاہ عالم کے کلام کی ایک خصوصیت یه بھی هے که وہ کبھی کبھی ردیف اور قافیه کا کام ایک هی لفظ سے لیتے هین اور قوافی بھی بھی ایسے کڈھب منتخب کرتے هین (۲)، که بغیر قدرت کلام کے انهین نبھانا دشوار و محال هے۔ ملاحظه هو :—

هم سے کہو، اے دلبر، دل کس سے جا کے اٹکا ؟
دن رات جی کو میرے رهتا هے ایهی کھٹکا

---

(۲) بعض دفعه ردیف کا التزم نہیں کیا مثلاً
گو سدھ نہیں اس شوخ ستمگر نے سنبھالی
تس پر بھی کوئی بات ادا سے نہیں خالی
دل چاهتا هے چلئے پیارے کے اب نگر
الفت کی باتیں کیجئے پر وہ ملے اگر

الفت سے جب کہ ہم نے دامن کو تیرے پکڑا
تو نے وھیں چھڑایا، اے شوخ، دیکے جھٹکا
(معاملہ بندی)

غیروں کے ساتھ کیسی واشد ھے تجھ کو، گلرو
کانٹا سا، ایک میں ھی نظروں میں تیری کھٹکا

اس نازنین دھن سے حرف اس ادا سے نکلا
گویا کہ غنچہ گل صحن چمن مین چٹکا
(حسن تشبیہہ)

افسون نہو موئثر کوئی، آفتاب، اس کو
دیکھا ھے جس نے اسکی زلف سیہ کا لٹکا

سلاست، روانی، لطافت اور خوش بیانی کا جلوہ مندرجہ ذیل غزل مین دیکھیں، ردیف اور قافیہ کی موسیقیت، خیالات کی ھم‌آھنگی اور برجستگی قابل دید ،قابل داد اور فردوس گوش ھے :—

جب وہ نظریں دو چار ھوتی ھیں
تیر سی دل کے پار ھوتی ھیں

رنجشین میری اور اس گل کی
رات دن مین ھزار ھوتی ھیں

عشق میں بے حجابیاں دل کی
کیا ھی بے اختیار ھوتی ھیں

تو جو جاتا ھے باغ میں اے گل
بلبلیں سب نثار ھوتی ھیں

قمریان بندگی میں تجھ قد کی
سر بسر طوقدار ھوتی ھیں

آفتاب اس کے وصل کی باتیں
باعث اضطرار ھوتی ھیں

دنیا کی بے ثباتی اور اس سے بیزاری، اردو شاعری کا ایک مرغوب موضوع ہے۔ تقریباً سب شعراء نے اس مضمون پر طبع آزمائی کی ہے، میر اور درد کے ہاں یہ انداز نسبتاً زیادہ ہے۔ اس کی وجہ وہ مالی، معاشی، اقتصادی اور مجلسی نامساعد حالات ہیں، جو انہیں در پیش تھے۔ ان کے مصائب بے پناہ سہی مگر پھر بھی شدت کے لحاظ جو کچھ شاہ عالم پہ گذری اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ اس لئے سوز و گداز کی کیفیتیں اور دنیا سےبیزاری شاہ عالم کےکلام مین نتیجۃً زیادہ ہیں۔

دنیا پہ مت ہی بھولو، اثبات کچھ نہیں ہے
آخر کو سب فنا ہے ہیہات کچھ نہیں ہے
دنیا سرائے فانی ہے سوانگ پیکھنے کا
دل کو لگانا اپنے اس سات کچھ نہیں ہے

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ بالخصوص دور آخر میں انتہائی خوشامد پسند تھے اور انہیں اپنے مصاحبوں کی خوشامد اور بنانے کا احساس تک نہ تھا۔ یہاں تو عالمے دیگر ہے :—

منھ پر مرے خوشامد اور پیٹھ پیچھے شکوہ
پیارے یہ شیوہ بد ہے یہ بات کچھ نہیں ہے

آنکھوں کا مضموں انکے ہاں کثرت سے بندھا ہے غالباً یہ اس واقعہ کا اثر ہے، جو انہیں بدقسمتی سے پیش آیا، مثلاً :—

لاچار ہوں میں اپنی آنکھوں کے ہات یارو!
کرتی ہیں دشمنی نت یہ میرے سات یارو

مجھ سے سلوک آنکھوں نے کیا کچھ کیا ہے ہائے
دل میرا دام عشق میں پھنسوا دیا ہے ہائے

کرتی ھیں میرے دل پر جو کچھ جفا سو آنکھین
تقصیر نہیں(۱) کسو کی، جو ھیں بلا، سو آنکھیں
خانہ خراب انہوں نے عشاق کا کیا ھے
ھیں دل کے تئیں بھنساتی ھرجا بجا سو آنکھیں
دل کو انہوں نے بس میں دیدار کے بھنسایا
بیچارہ دل کرے کیا ھیں بے وفا سو آنکھیں
خوباں سے آشنا ہو، بیگانہ ہم سے ہو گئیں
دیکھی ھین سب جہاں میں نا آشنا سو آنکھیں
کیا دل کو طعنہ کیجیے اس کا گناہ کچھ نہیں
اے آفتاب کر گئیں مجھ سے دغا سو آنکھیں

دلبر سے دل لگایا، ان آنکھون کا برا ھو
جی مفت میں پھنسایا ان آنکھون کا برا ھو
کب چاھتا تھا میں، یہ، جو دل بتاں کے تئیں دوں
مجھ دل کے تئین کھوایا ان انکھوں کا برا ھو
اس شمع رو صنم سے میری لگن لگائی
تن من مرا جلایا ان آنکھوں کا برا ھو
داماں و آستیں تو اے آفتاب میرے
خوناب میں ڈبایا ان آنکھوں کا برا ھو

دلبر سے مل کے آہ ان آنکھوں نے کیا کیا
کی ایسے بت سے چاہ ان آنکھوں نے کیا کیا

---

(۱) ''نہیں'' میں تلفظ اس قسم کا ھے جس طرح کہ پنجاب میں رائج ھے۔

ایسا گنہ کیا کہ دیا دل کے تئیں ڈبا
سب کہتے ہیں گنہ ''ان آنکھوں نے کیا کیا''

دست ستم سے اس بت ظالم کے دل کو اب
ہرگز نہیں نباہ، ان آنکھوں نے کیا کیا

دل اس صنم کے ہاتھ سے چھٹنا محال ہے
ہم سیتی یا اللہ، ان آنکھوں نے کیا کیا

اے آفتاب کر نہیں سکتا ہوں کچھ بیان
مجھ سے سلوک واہ ان آنکھوں نے کیا کیا

آنکھوں کے بیچ تیری پھرتی ہے یار صورت
بھولی نہیں ہے ہرگز لیل و نہار صورت

ہو چار چشم کون سکے ایسے بار سے
آنکھوں کے دیکھتے ہی پیا کی خطر لگے

بن دیکھے اس پیارے کے آنکھوں نے اپنا حال
ایسا کیا ہے جیسا کہ باراں کا جھڑ لگے

ایک پوری غزل 'زلفوں' کی تعریف میں ہے :-

دیکھو تو کس ادا سے رخ پر ہین ڈالی زلفیں
جوں مار ڈستی ہیں دل، دلبر کی کالی زلفیں

چاہے ہیں جس نہ تس کو باندھیں گرہ میں اپنی
دل لینے کو بلا ہین یہ پیچ والی زلفیں

مثل سلاسل اس میں عقدے ہزارہا ہین
ٹک پیچ و تاب سے میں دیکھیں نہ خالی زلفیں

مار سیہ جدا کب رہتا ہے کنج زر سے؟
ہوتی نہیں ہیں اسکے رخ سے نرالی زلفیں

تھی رات جو یکایک دن دیکھنے لگے سب
جب آفتاب اس نے رخ سے اٹھالی زلفیں

ان کی غزل مین امرد پرستی بالکل مفقود ہے۔ بڑی تلاش و جستجو کے بعد صرف ایک شعر ایسا نظر آیا جس سے امرد پرستی کا معمولی سا شبہ ہوتا ہے (۱)۔

اس یار سبز رنگ کو جی چاہے دیکھئے
محبوب شوخ و شنگ کو جی چاہے دیکھئے

ایک غزل کی ردیف چاندنی ہے۔ دیکھیں چاندنی کو کس کس رنگ سے ادا کیا ہے :-

جب ماہرو کے سامنے آتی ہے چاندنی
مکھڑے پہ اس کے صدقے ہی جاتی ہے چاندنی

سیر چمن کو نکلے ہے جب ماہرو مرا
سطح زمیں پہ فرش بچھاتی ہے چاندنی

ہمراہ عاشقوں کے نہ ہو تو ہی جب تلک
کس کو یہ سیر اور کسے بھاتی ہے چاندنی

اک شب تو ٹک نقاب کو مکھڑے سے دے اٹھا
جلوے کو منتظر ترے آتی ہے چاندنی

آئینہ رو کو دیکھ کے مرے ہوگی منفعل
کیوں اپنی خود نمائی جتاتی ہے چاندنی؟

---

(۱) میر حسن نے اپنے تذکرے میں ذیل کے اشعار دئیے ہیں اور کہا ہے کہ کسی غزل میں سے ہیں :—

صبح تو جام سے گذرتی ہے شب دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے اب تو آرام سے گذرتی ہے

تذکرہ میر حسن ص ۳ ، بہ تصحیح شروانی مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی سنہ ۱۹۴۰ء

حمد و نعت اور مناجات مین اپنے تخت و تاج کی سلامتی کے لئے التجائیں کرتے ھیں :-

خدا کے حضور میں

واحد ھے لاشریک تو ثانی ترا کہاں
عالم ھے سب کے حال کا تو ظاھر و نہاں
ظاھر میں تو اگرچہ نظر آتا ھے نہین
دیکھا جو میں نے غور سے تو ھے جہاں تہاں
احساں ترے شمار میں کوئی کیونکہ لاسکے
رازق ھے ساری خلق کا تو ھی تو بیگماں
قاصر ھے یہ زبان مری شکر سے ترے
کیا کرسکوں ھوں حمد و ثنا کا تری بیاں
یہ عرض آفتاب کی ھے تجھ سے یا کریم
تخت شہی پہ میرے تئین رکھیو جاوداں

هریک وسیلہ ڈھونڈے ھے ھر ذی حیات کا
میرے تئیں وسیلہ ھے تیری ھی ذات کا
تو ھے کریم و راحم و روزی رسان خلق
معبود بھی ھے تو ھی سبھی کائنات کا
نت آفتاب کو دے یہ تخت شہی قیام
مختار اے کہ تو ھی ھے اس کے ثبات کا

مناجات بدرگاہ رسالت مآب ؐ

تو نے بخشا ھے جو تاج یا تاج النبی
شاہ عالم کی رکھو تم لاج یا تاج النبی

بادشاھی اسکے تئیں تم بخشو ھفت اقلیم کی
سارے ملکوں کا دلاؤ تاج یا تاج النبی

ربع مسکوں میں جو دشمن اسکے ھیں یکبارسب
مار کر جگ سے کرو اخراج یا تاج النبی

پورے کردو سب مطالب اس کے دل کے آج ھی
مانگتا ھوں تم سے میں یہ آج یا تاج النبی

سر بلندی آفتاب اپنے کو بخشو دھر میں
کیونکہ ھو تم صاحب معراج یا تاج النبی

ابوتراب رض کی بارگاہ میں

کرتا ھے ھر مہم کو تو عالی جناب فتح
یا مرتضلی علی تو مجھے دے شتاب فتح

میں بندہ خاکی تجھ سے یہ کرتا ھوں التماس
کر میرے مشکلات کو یا بوتراب فتح

مشکل کشائے خلق ترا نام پاک ھے
تو نے کیا ھے قلعۂ خیبر کا باب فتح

دنیا و دیں میں کل مہمات کو مرے
تو کر اے رھنمائے طریق صواب فتح

پکڑا ھے تیرا ھاتھ شہ ذوالفقار نے
چاہ آس سے ھر مہم میں تو اے آفتاب فتح

پیر دستگیرؒ سے

یا پیر دستگیر یہ ہے عرض آفتاب
بر لاؤ شتاب جو مقصد ہمارے ہیں
مہر اس کی سے جہاں میں روشن ہے آفتاب
مجلس ہے جس نے پیر کی ترتیب دی یہ آج

خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

دو ساری خدائی کی دولت مجھے اور حشمت
جلدی بطفیل رب یا خواجہ، معین الدیں
سن لو شہِ عالم کی یہ عرض کہ تم اس کے
بر لاؤ سبھی مطلب یا خواجہ معین الدیں
مانگت تم سوں آج میں حضرت خواجہ پیر
شاہ عالم کو دیجیے مال ملک من دھیر

فارسی کلام

رنگ تغزّل ملاحظہ ہو :۔

خواہم کہ کنم درد دل خود بتو ظاہر
گفتن نتوانم چو شوم پیش تو حاضر
چشم تو رسانید بمن نشہ مستی
زلف تو بما داد پریشانیٔ خاطر
بردی دلم از دست بانداز خرامی
قربان سر پائی تو من اے بت کافر

اے دوستدار من تو گذر هم نمی کنی
افسوس یار من تو گذر هم نمی کنی

در باغ سینه‌ام ز فراق تو گل شگفت
بر لاله زار من تو گذر هم نمی کنی

من انتظار وصل تو هر روز می کشم
اے گل‌عذار من تو گذر هم نمی کنی

در بحر عشق غرق محبت چو ماهیم
بهر شکار من تو گذر هم نمی کنی

سوزم ز عشق تو، صنما، مثل **آفتاب**
اے دلفگار من تو گذر هم نمی کنی

مندرجه ذیل مشهور فارسی قطعه میں شاه عالم نے اپنے مصائب کا جس حسرت بھرے درد ناك انداز میں ذکر کیا هے مطالعه کے قابل هے ۔ قطع نظر اس امر کے که مرهٹوں اور انگریزوں سے ان کی توقعات بجا تھیں یا بے جا، آنھوں نے اپنے جذبات کا جس صفائی اور خلوص سے اظهار کیا هے وه قابل داد هے :۔

صرصر حادثه برخواست پئے خواری ما
داد برباد سر و برگ جهانداری ما

آفتاب فلک رفعت شاهی بودیم
برد در شام زوال آه سیه‌کاری ما

چشم ما کنده شد از جور فلک بهتر شد
که نه بینم که کند غیر جهانداری ما

داد افغان بچه شوکت شاهی برباد
کیست جز ذات منزه که کند یاری ما
کرده بودیم گناهے(۱) که سزائش ابں بود
هست امید که بخشند گناهگاری ما
کرد سی سال نظارت (۲) که مرا داد بیاد
زودتر یافت تلافیٔ ستمگاری ما
نازنینان پری چهره که هم دم بودند
نیست جز محل مبارك به پرستاری ما
حق طفلاں که ز سی سال فراهم کردند
کرد ناراج نمودند سبکساری ما
عهد و پیماں بمیاں داده نمودند دغا
محلباں خوب نمودند وفاداری ما
قوم افغان و مغلیه همه بازی دادند
بسکه گشتند مجو ز به گرفتاری ما
آں گدا زادۀ همداں که بدوزخ برود
بانیٔ جور و ستم شد بدل افگاری ما
گل محمد که ز مرداں بشرارت کم نیست
چه قدر کرد وکالت بگرفتاری ما
هم الله یار و سلماں و بدل بیگ لعین
هر سه بستند کمر بهر دل آزاری ما

---

(۱) جب شاه عالم نے غوث گڈھ تباه و برباد کیا اور ضابطه خان کے بیوی بچے گرفتار کر لئے - غلام قادر کی عمر اُس وقت آٹھ یا دس سال تھی - یه خوبصورت لڑکا تھا - بادشاه نے اُسے منظور نظر بنا کر خصی کرا دیا - اور زنانه لباس پهنا دیا - ذرا هشیار هوا تو دهلی سے نکل کر اپنے باپ کے پاس چلا گیا - واقعات اظفری و جام جهان نما

(۲) منظور علی خان ، یا منصور علی خان

شاہ تیمور (۱) کہ دارد سر نسبت با من
زود باشد کہ بیاید بمددگاری ما

مادھو جی سندھیا فرزند جگر بند من ست
ہست مصروف تلافیٔ ستمگاری ما

راجہ و راؤ زمیندار و امیر و چہ فقیر
حیف باشد کہ نسازند بغمخواری ما

حال ما کشتہ بترھم چو اماماں بہ یزید
کرد تقدیر ازل روزی ما خواری ما

بود جاں کاہ ز رو مال جہاں ھم چو مرض
دفع از فضل الہی شدہ بیماری ما

آصف‌الدولہ و انگریز کہ دستور من اند
چہ عجب گر بنمائند مددگاری ما

آفتاب از فلک امروز تباھی دیدی
باز فردا دھد ایزد سر و سرداری ما

ہندی شاعری

''پرانی تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم، محمود غزنوی، اور شہاب‌الدین غوری کے ہندوستانی دفتروں میں سب کام ہندی میں ہوتا تھا ۔ حسن گنگو براھمنی نے اپنا سب کام گانگو برھمن کے حوالے کر رکھا تھا اور وہ ہندی ھی میں ہوتا تھا ۔

بادشاہ اکبر ہندی سے بہت محبت کرتے تھے ۔ ان کے دربار میں ہندی کے کئی مشہور پنڈت شاعر اور موسیقی کے ماھر رہتے تھے ۔

(۱) تیمور شاہ والئی کابل ابن احمد شاہ ابدالی

بادشاہ خود بھی ھندی میں شعر کہا کرتے تھے ۔ ھم ان کا کہا ھوا ایک دوھا نیچے درج کرتے ھیں ۔ جس یا شہرت کے بارہ میں کہا ھے۔

جاکو جس ھے جگت میں جگت سراھے جاہ
تاکو جیون سپھل ھے کہت اکبر ساہ

(اکبر بادشاہ کہتے ھیں کہ جو دنیا میں با عزت زندگی بسر کرتا ھے اور لوگ جس کی تعریف کرتے ھیں اس کی زندگی کامیاب کہی جا سکتی ھے) ۔

جہانگیر نے بھی ھندی پڑھی تھی ۔ خسرو ابھی چھ ھی برس کا تھا جب اس کے دادا بادشاہ اکبر نے اسے پنڈت بھودت بھٹا چاریہ کے حوالے کیا ۔ تا کہ وہ ھندی کی تعلیم بخوبی حاصل کر سکے ۔ بادشاہ شاھجہان تو ھندی اتنی اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اُس میں اپنی مادری زبان کے مانند ھی گفتگو کر سکتے تھے ۔ اُن کا بیٹا دارا شکوہ تو ان سے بھی بڑھا چڑھا نکلا اور وہ ھندی اور سنسکرت کا اتنا عالم ھو گیا، کہ اُس نے اُپنشدوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا ......

ایک دفعہ شہزادہ محمد اعظم نے اورنگ زیب کے پاس دو آم اس غرض سے بھیجے کہ بادشاہ اُن کا مناسب نام تجویز کریں ۔ چنانچہ اورنگ زیب نے انھیں ''سدھارس،، اور ''رسناولاس،، ناموں سے موسوم کیا(۱)،،

شاہ عالم نے ھندی زبان سے اُلفت وراثت میں پائی ۔ اس لئے یہ امر باعث تعجب نہیں کہ اُسکے منظوم کلام کا معتدبہ حصہ ھندی میں

---

(۱) مضمون مسلمان اور ھندی زبان مطبوعہ سالنامہ ادبی دنیا ۱۹۳۷ء (رام سروپ شاستری) ۔

ہے ۔ مگر وہ ہندی ایسی سلیس ہے کہ ہر اردو دان اُسے سمجھ سکتا ہے ۔ نیز اُس کے ہندی کلام میں اسکے عہد کی معاشرت اور بادشاہ کی مقامی رسوم میں دلچسپی اور ذوق کا پتہ چلتا ہے لہذا مختصراً انتخاب پیش کیا جاتا ہے :-

ہولی (ہندؤں کا مشہور تہوار)

عبیر گلال سوں جھوری(۱) بھری اور رنگ بھری پچکاری لئی(۲) ہے
کھیلت ہوری کونیہ بڑھا چترائی سوں کھیل کھلار نئی ہے
پیتم نے جب با نہ گہی اُن سیتی کہی تب ہا ہا دئی ہے
آوت آئی کر چوٹ چلائے بھجائے کے لال کو بھاج گئی ہے

سبھی بجاوت آت ہیں دف دائرہ مردنگ
بسن بسنتی پہپ رے سگھر سلونی رنگ

آوے اُمنگ سوں کھیل کو پچکاری کر لائے
پیتم سوں بس نہ چلے ہا ہا کرتی جائے

غوث الاعظمؒ کی مہدی

یہ تقریب ہر سال ۱۱ ربیع‌الاول کو منائی جاتی تھی ۔ اور مہدی مرزا راجہ رام ناتھ ذرہ پیشکار نظامت کے ہاں بڑی دھوم اور

---

(۱) جھولی ۔
(۲) لی ۔

عقیدت کے ساتھ قلعے میں آتی تھی[1] ۔ اس تقریب کی یاد میں بہت سی نظمیں ھیں :-

آئی مہدی پیر کی جگمگ جگمگ جوت
شاہ عالم اس سال میں تمہیں مرادیں ہوت

آئی مہدی پیر کی لال جڑی خوش رنگ
گنی راگ گاون لگے بجت بین مہچنگ
شاہ عالم بنتی کریں رنگ . . رنگ انگ
دئی مراد مرید کی باڑھے ھیے اُمنگ

مضامین فرحت میں راکھی بندھن کی رسم کا ذکر ھے [2]۔ مگر اس سلسلہ میں کوئی کلام نادرات شاھی، میں نہ مل سکا ۔ مندرجہ ذیل تہواروں اور رسوم کے منانے کا ذکر ملتا ھے ۔

قربانی و عیدالاضحی

آنند سوں عالم شاہ کے گھر کلول کے سب سامان کروں
حج کے دن سب شتر تمہارے جیوں اُشتر قربان کروں

شتر کی قربانی کرے شاہ عالم حج ثواب لیو ھے
لاکھوں تمہے بکرید نصیب ہو اهي مبارك باد دیو ھے

---

(۱) مجموعہ نغز جلد اول ص ۲۵۹ و مقدمہ نادرات شاھی ص ۵۱ -
(۲) مضامین فرحت حصہ دوم صفحہ ۱۳ -

ساتوں دیس(۱) کا راج کرو شاہ عالم کی اوراد تبارك
گائے بجائے کہیں نر ناری هووے تمہیں بکرید مبارك

عیدالفطر و رمضان المبارک

کیتی نماز اور راکھے روزے قبول کرے ہیں اللہ نبی نے
هو وے مبارك عید تمہیں شاہ عالم دینی مبارك باد سبھی نے
پورن روزے کرے رمضان کے کیتی قبول بھیو رب راضی
سال هزار مبارك عیدی تمہے جگ میں شاہ عالم غازی

شب برات

مبارك هو شبرات آج انند کی رات
شاہ عالم گھر آنند کاج پھلجری هت پھول هات

آخری چہار شنبہ

روزہ بھیو آنکو سکھد ایک ایسے نصیب تمہیں هو هزارك
لے کے چھلے(۲) سب لوگ کہیں شاہ عالم کو چارشنبہ مبارك،،

---

(۱) دیس -

(۲) نادرات شاہی میں وقائع عالم شاہی صفحہ ۵۶ ب کے حوالہ سے لکھا ہے ''۲۹ صفر ۱۱۹۹، کو محمد یعقوب خان عرف کلو خواص نے حسب الحکم پانچ سو روپے کے گنگا جمنی چھلے تیار کرا کے پیش کئے حکم هوا کہ ۱۰۰ چھلے پٹیل کو اور ۵۰ فی کس رانی خان بھائی، دیس مکھ پٹیل کے داماد اور مرزا رحیم بیگ کو پہنچا کر باقی امیروں، بیگموں اور مرشد زادوں کو پہننے کے لئے دے دئیے جائیں'' صفحہ ۶۱ -

اے فرمائے پیغمبر کہ آج کے روز باغ کی سیر کیجے سکھ لیجے
نئے نئے بسن بھوکن پہریں اور آنندسوں سب کو چھلے دیجئے

آج کے روز محمد نے کری باغ کی سیر بڑی خوشحالی
دین مبارك باد چلو **شاہ عالم** کو چار شنبے کی آلی
آیو سو ہے چار شنبہ جایں حضرت محمدؐ سکھ پایو
شاہ عالم نائب گھر، آنند سوں سندر روز مبارك آیو

جشن نوروز

سال نیو اب آیو بھلو **شاہ عالم** کے گھر ہوگی بدھائی
مبارك ہو نوروز تمہے اب جی کی مراد سبھے بھر پائی
پھوکن انگ سنگار سجھےاو دھاوے کے لچھمی گیو میں آئی
درجن ناس بھیے تمھرے، اب دیت یہی چھوں اور سنائی

رنگ بھیو نوروز کو جیسو ہے ویسو ہی چیر کو رنگ ہے ساجی
گاؤ سبے مل دیو اسیس(۱) یہ ”راج کرو **شاہ عالم** گاجی“

دیوالی

گسیاں نے اب کرم کیو اور حکم کیو **شاہ عالم** کے گھر
آئی دوالی مبارك یہ مال ملک سب دینو بھر

اے دی مائی آج اتھیں آنند سوں سب گنی کریں پوری سہالی
شاہ عالم پیا کے مندر بھئی روشنی جگمگات کی رات دوالی

---

(۱) دعا۔

اپنی سالگرہ کی خوشی میں

ہووے مبارک تمہے سالگرہ کی آج شادی
شاہ عالم نت قائم رہے چھتر تخت اور آبادی

نواب زینت محل سے شادی کی خوشی میں

اللہ نبی نے تمہارے من کی مرادبن دبنی اور راٹھا سایہ اپنا فضل کا
شاہ عالم پادشاہ تم کو مبارک ملنا نواب زینت(۲) محل کا

اکبر شاہ(۳) کی سالگرہ کی تقریب پر

جیو جاگو کوٹ برس لوں جگ میں اکبر پیارے لال
جم جم نت نت ہوے مبارک تمہے سالگرہ لاکھوں سال

اپنی تخت نشینی کی یاد میں

آج تخت پر بیٹھے جشن کر شاہ عالم نذر سبھی کی لینی
چلو سب سکھی سہیلی آنند سیتی مل جلوس کی مبارک دینی

---

(۱) اس نام کی متعدد خواتین کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے :—
(۱) شاہ عالم کی سوتیلی ماں -
(۲) شاہ عالم کی بیوی -
(۳) بہادر شاہ ظفر کی بیگم ، (آخر الذکر کے متعلق دیکھیں مضامین فرحت حصہ دوم صفحہ ۱۲) اور اول الذکر و ثانی الذکر کے لئے نادرات شاہی صفحہ ۵۶ -

(۲) مبارکہ محل کے بطن سے شاہ عالم کے منجھلے بیٹے اور جانشین پیدائش ۲۳ ۳/۱۷۶۰ وفات ۲۸ ۹/۱۸۳۷ خمخانہ جاوید ج ۱ صفحہ ۵۵۲ -

ظرافت کا عنصر

ہاکنگ کا بذلہ سنجی کے متعلق یہ نظریہ ہے :-

''ہنسی نہایت علمی شے ہے ۔ اس کا وقوع اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک ہم اپنے سارے فکر و خیال پر زور دے کر مزاح کے نکتہ تک نہ پہونچیں ہنستے وقت ہم کائنات پر ایک اجماعی نظر ڈالتے ہیں ۔ لیکن ہنسی دلانے کے لئے یہ نظر فوری اور بغیر طبیعت پر زور دیے بالکل غیر ارادی ہونا چاہیے ۔ اسلئے ہجو جو فلفسہ کا بے تکلف و بے آورد استعمال ہے موثر تریں آلۂ تنقید ہے ۔ چنانچہ شیفسبیٹری کا یہ دعویٰ کس قدر دانشمندانہ ہے کہ اچھی باتیں وہی ہیں جو ''تضحیک کی آزمائش،، میں پوری اتر سکیں اور چوٹیلی نہ بنیں ۔ اگر امریکہ کے پاس کوئی انوکھا نظریۂ علم ہے ۔ تو سچ پوچھیے تو وہ عملیت نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ درك و دقت نظر دلیل سے بہتر ہے اور اس کی مادی شکل بذلہ سنجی ہے ۔ بذلہ سنجی و ظرافت مقصود تک پہنچنے کا قریب تریں راستہ ہے اور ہنسی گویا قید و بند سے نجات پانے کی خوشی ہے ۔،،(۱)

شاہ عالم ثانی کے ہاں بذلہ سنجی کا عنصر خاصہ ہے ۔ لیکن اس کے لئے مختلف مواقع مقرر ہیں ۔ شادی بیاہ ہنسی خوشی کا بہترین موقع ہے ۔ سمدھن سمدھی کا مذاق ہندوستان کی قدیم رسم ہے ۔ یہ مذاق

(۱) ولیم ارنسٹ ہاکنگ، انواع فلسفہ، ترجمہ ظفر حسین خان مطبوعہ انجمن ترقی اردو علی گڑہ ص ۲۱۰ ۔

کبھی کبھی فحش کی حد تک پہنچ جاتا ہے - ہوتا یوں ہے کہ جب بارات آتی ہے تو عورتیں دولھا والے خاندان کے افراد کے نام لے لے کر مختلف طنز آمیز مذاقیہ اشعار گاتی ہیں، اگر دولھا والوں کے ساتھ بھی مستورات ہوں تو ادھر سے بھی ترکی بہ ترکی اور فی‌البدیہ جواب دیا جاتا ہے - اہل ہنود میں اس رسم کی بڑی پابندی تھی، اور اب بھی ہوگی - لیکن یہ صرف عورتوں تک ہی محدود ہے - شاہ عالم ثانی نے اس صنف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے - لیکن اس میں فحش اس قدر زیادہ ہے کہ قلم اس کے بیان سے قاصر ہے - صرف شستہ اشعار کا انتخاب درج ذیل ہے :-

صاحب محل(۱) جب بن ٹھن آئیں ساجے سکل سنگار
پکڑ ہاتھ سمدھی نے ڈالا گل پھولن کا ہار

سمدھن سے سمدھی یوں بولا ''مجھے آڑانا آوے،،
سمدھن بولی : ''مجھے چٹا پٹ تال سواری بھاوے،،

سمدھن کے گھر جڑے براتی، آپس میں کر دھامک دھوما
جام پہلا شربت کے سب نے مرزا بابا(۲) کا منہ چوما

---

(۱) یہ محمد شاہ بادشاہ کی دوسری بیوی اور ملکہ زمانی بیگم کی خالہ زاد بہن تھیں - احمد شاہ ابدالی نے ان کی بیٹی حضرت بیگم سے اپنا عقد کیا تھا - یہ اپنی بیٹی کے ساتھ افغانستان چلی گئی تھیں اور تقریباً اٹھارہ برس مقیم رہ کر سنہ ۱۷۷۳ء میں حضرت بیگم کے انتقال پر ان کا تابوت لیکر دلی آئیں - سنہ ۱۸۰۲ء وفات پائی مقدمہ نادرات شاہی (ص ۶۰) -

(۲) شاہ عالم کے ہم زاد ، بہنوئی اور سمدھی تھے - لاڈلی بیگم دختر عالم گیر ثانی کی منکوحہ تھیں - اصل نام مرزا محمد علاؤ الدولہ بہادر تھا -

محمد سخاوت مرزا ، بی ۔ اے، ال‌ال ۔ بی

محمد زین العابدین خان

المتخلص به دیوان نایطی (مدراس)

نام لقب ۔ مدراس کے مشہور تذکروں[1] میں دیوان کا نام زین‌العابدین خان بیان کیا گیا ہے اور خود دیوان نے اپنی انشاء[2] زیر تنقید میں اپنا نام ''زین‌العابدین برادر،، المتخلص به دیوان لکھا ہے اور برہان خان ہانڈی مؤلف تزک والا جاہی[3] نے انکا نام محمد دیوان بیان کیا ہے ممکن ہے کہ انکا اصلی نام محمد اور زین‌العابدین لقب ہو اور دیوان تخلص ہونے میں تو سبکو اتفاق ہے اور عام طور پر اپنی برادری میں وہ ''برادر،، کے نام سے معروف تھے[4]۔ مسٹر ایتھے مرتب فہرست کتبخانہ انڈیا آفس نے ''کلیات دیوان،، کے ضمن میں انکو ایک غیر معروف شاعر قرار دیا ہے حالانکہ دیوان کے مختصر اور جامع حالات تذکرہ جات شعراء فارسی مدراس میں موجود ہیں چنانچہ دیوان کا تعارف سب سے پہلے علی موسٰی رضا رایق مؤلف گلدستہ کرناٹک[5] نے اسطرح کرایا ہے :۔

''دیوان تخلص زین العابدین است کہ داماد علی دوست خان

---

(۱) تذکرہ گلدستہ کرناٹک و گلزار اعظم وغیرہ (قلمی کتبخانہ آصفیہ)

(۲) انشاء دیوان قلمی مخزونہ کتبخانہ آصفیہ ۔

(۳) تزک والا جاہی مؤلفہ برہان خان ہانڈی مخطوط مخزونہ دفتر دیوانی و مال ۔

(۴) ضمیمہ فہرست انڈیا آفس مطبوعہ (کتبخانہ آصفیہ) حیدر آباد ۔

(۵) مخطوط گلدستہ کرناٹک (کتبخانہ مولوی عمر یافعی حیدر آباد)

شهید که از رؤسائے قوم نائطه این سر زمین است مردے رنگین طبیعت پاکیزه طینت عالی همت بود عموماً با همه اشخاص بارباب هنر ذوی الاختصاص مراعات شایان تواضع نمایان مینمود و بآنکه از ثروت دستگاهان زمانهٔ خویش و از کثرت ساز و سامان ممتاز مجمع بیگانه و خویش بود دامن از ارتباط دنیا برچید و همچو وارسته مزاجان در گوشهٔ خلوت انزوا گزید ـ غرض این مرد عجیب ذی همت و حاتم خصلت بود که هر کسے از خویش و بیگانه بخانه‌اش در رسید اقسام اشیاء نفیسه آنرا فراهم نمود برائے ملاحظه پیش آن مردم کشید بعد دیدنش هر کسے تعریف چیزے نفیس از آن بعبارت معهود می ساخت آن هر شئے را باو مرحمت میکرد اگر کسے ابا میکرد ناخوش می شد و باغراق در قبولیت آن الحاح می ساخت آخر آن کس چار و ناچار به قبولیت آن می پرداخت ـ مقبره‌اش در دامن کوه دارالسرور ویلور واقع است و جز یک بیت او یاد را بیاد نیست ؎

دیوان عروج نشهٔ حق در شریعت است
سنگ سیاه بر قدح خمر و بنگ زن

نیز تذکره جات صبح وطن ، گلزار اعظم ، تاریخ نوائط(۱) اور اشارات بنیش(۲) میں بھی حالات درج ھیں مگر یه صرف ایکدوسرے کی نقل ھے اس سے زائد تفصیلی حالات کسی نے نه لکھے ـ ھم یہاں مزید حالات انہیں کی تالیف انشاء دیوان اور دوسری کتابوں کی مدد سے زیب قلم کرتے ھیں :-

نام محمد، زین العابدین خان لقب و خطاب، دیوان تخلص قوم نوائط

(۱) تاریخ نوائط مولفه عزیز جنگ ولا حیدر آبادی مطبوعه ـ
(۲) اشارات بنش مؤلفه غلام مرتضیٰ خادم مدراسی (قلمی آصفیه) ـ

سے تھے نوائط یا نوایت بنونائطہ(۱) سے مشتق ہے ۔ جو بقول مؤلف لسان العرب، عرب کا ایک قبیلہ تھا مگر بقول ملا احمد(۲) نایطہ یہ لوگ کسی خاص قبیلہ سے تعلق نہیں رکھتے ہیں بلکہ ان عرب جہاز رانوں کی اولاد ہیں جو بسلسلہ تجارت علاقہ کوکن (ملیبار) میں آ کر آباد ہو گئے، اس لحاظ سے بلا تخصیص ہر قبیلے کے عرب اس میں شریک تھے مؤلف جامع اللباب نے لکھا ہے کہ یہ شرفاے کوفہ کا وہ گروہ ہے جو حجاج بن یوسف ثقفی سنہ ۷۴ - ۹۵ھ کے مظالم سے (اواخر پہلی صدی ہجری میں تنگ آکر ہجرت کر کے ساحل ملابار میں آ کر آباد ہو گیا تھا ۔ یہ روایت صحیح تسلیم کی جاے تو ان مہاجرین کی جماعت میں ہر عربی قبیلہ کا شخص شامل ہوگا مگر باعتبار نسل، نوایط اپنی خاص صورت و شکل اور امتیازی خد و خال کے لحاظ سے بھی عربی الاصل اور خاص قبیلہ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں اس نقطہ نظر سے مؤلف کتاب الاشتقاق و لسان العرب کے اس قول کو ترجیح حاصل ہے کہ بنو نائطہ عرب کا ایک قبیلہ تھا ۔

شرفاے نوایط کا وجود سلاطین دکن کے دربار میں بقول ملا احمد نائطہ سلاطین عادل شاہی بیجاپور سے ہے مگر انکا وجود سلاطین بہمنیہ کے زمانہ میں بھی تھا اور یہ امراے بہمنیہ میں شامل تھے اور ذمہ دارانہ خدمات انکے سپرد تھیں چنانچہ سلطان علاءالدین حسن گنگو بہمنی کے امراء میں سید(۳) جمال الدین نائطی خزانچی کی خدمت پر مامور تھے اور محمد اسمٰعیل نوائط سلطان محمد شاہ بہمنی ابن

(۱) تذکرہ سلاطین دکن جلد نمبر ۱ مولفہ عبدالجبار خان ملکاپوری مطبوعہ ۔

(۲) رسالۂ تحقیق مؤلفہ ملا احمد نائطہ (رسالۂ تاریخ حیدرآباد) ۔

(۳) تذکرہ سلاطین دکن جلد اول ملکا پوری ۔

سلطان حسن گنگو بہمنی کے داروغۂ جواہرخانہ تھے - زمانہ مابعد میں ملا احمد نائطہ اور انکے فرزند ملا حبیب‌اللہ بیجاپوری(۱) نے علی عادل شاہ اول کے دربار میں بڑا رسوخ حاصل کر لیا تھا، ملا حبیب اللہ بطور سفیر دربار اکبری میں بھی بھیجے گئے تھے، جہاں خان خانان عبدالرحیم سے انکے پر خلوص تعلقات پیدا ھو گئے تھے -

نوائط مدراس میں - عادل شاھی سلطنت کے زوال کے بعد یہ خاندان آرکاٹ چلا آیا جنمیں شاہ صبغت‌اللہ عرف شاہ صاحب(۲) ابن ملا حبیب‌اللہ، نیز نظام‌الدین احمد کبیر و صغیر، مولوی محمد حسین اسام‌المدرسین بیدری اور قاضی‌الملک اور سرف‌الملک مشہور ھیں - دوسرا مشہور شخص نوابط میں سے جو آرکاٹ کی نظامت پر بزمانہ عالمگیر فایض ھوا وہ محمد سعید(۳) سعادت‌اللہ خان ھیں جنھوں نے (۱۱۲۲ھ تا ۱۱۴۶ھ) تک نیابت آرکاٹ کے فرائض انجام دئے، یہ دو بھائی تھے ایک تو محمد سعید دوسرے غلام مرتضیٰ - غلام مرتضیٰ کو عالمگیری فوج میں وجاھت کیوجہ سے فوراً ھی معقول خدمت مل گئی تھی مگر محمد سعید بتدریج منصبداران شاھی میں شامل ھو گئے تھے جنکو داؤد خان پنی کے بعد آرکاٹ کی نیابت مستقل طور پر مل گئی تھی یہ کوکن کے رھنے والے اور مذھباً اثناء عشری تھے سعادت‌اللہ خان نے اپنی نیابت کے زمانہ میں کوکن سے اپنے ھم قوم نوایط اور دیگر

---

(۱) تذکرہ اولیاے دکن جلد اول مؤلفہ عبدالجبار خان ملکا پوری مطبوعہ و مناقب حبیب اللہ مؤلف عبدالفتاح مخطوطہ کتب خانہ سعیدیہ حیدر آباد -

(۲) تاریخ احمدی مخطوطہ کتب خانہ سعیدیہ حیدر آباد -

(۳) سعید نامہ مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ و انور نامہ، مؤلفہ ابجدی قلمی آصفیہ -

اعزا کو طلب کر کے بیحد حسن سلوک کیا حتی کہ مناصب و جاگیریں دلوائیں چنانچہ انکے بھتیجا غلام علیخان کو پیشگاہ سلطانی سے ویلور جاگیر میں عطا ہوا تھا ۔ چونکہ والا جاہ محمد علی نے اپنی زوجہ محترمہ نواب بیگم(۱) کے انتقال کے بعد دو نکاح لئے ایک تو غلام مرتضٰی خان قلعدار ویلور نبیرہ سعادت‌اللہ خان کی صاحبزادی سے اور دوسری صفدر حسین خان نوابط کی لڑکی سے، جو سعادت‌اللہ خان کے عزیز تھے اسطرح نوایط خاندان والا جاہی خاندان میں جو گوپاموا‌وڈہ کا خاندان تھا گھل مل گیا اور والا جاهی خاندان کی طرز معاشرت(۲) کو بالکل بدلدیا ۔ دیوان نواب علی دوست خان شہید ناظم دوم آرکاٹ کے سب سے چھوٹے داماد اور انہیں کے هم قوم تھے باهمی کوئی قرابت نہیں تھی چنانچہ برهان خان مؤلف تزك والا جاهی نے نواب صاحب مغفور کے اولاد کے حالات کے ضمن میں لکھا هے ۔

"او را یک(۳) پسر صفدر علیخان نام و پنج داماد با احتشام ازآن جمله یکے غلام مرتضٰی خان پسر باقر علیخان برادر خورد جاگیردار ویلور و ثانی تقی علیخان از بنی اعمامش جاگیردار و نداوش و ثالث حسین دوست خان از عشیرتش حاکم ترچناپلی، رابع اکبر علیخان از هم نسبانش خامس محمد دیوان از قومش"

گویا ان اصحاب میں سب سے زبردست شخصیت اور تاریخی حیثیت

---

(۱) تذکرہ والا جاهی مولفہ برهان خان هانڈی کتب خانہ دفتر دیوانی و مال حیدر آباد ۔

(۲) مثنوی گلشن سہ رخاں مصنفۂ اثیمہ نبیسی والا جاہ مخطوطہ آصفیہ۔

(۳) تزک والا جاهی مخطوطہ مخزونہ دفتر دیوانی و مال حیدر آباد ۔

نواب حسین دوست خان عرف چندا صاحب(۱) حاکم ترچناپلی کو حاصل تھی جو دیوان کے همزلف تھے۔جنھوں نے فرانسیسوں سے ملکر گویا ہندوستان کی آئندہ قسمت کا پاسا پلٹ دیا جسکے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے غرض دیوان شریف‌الخاندان اور امراے کرناٹک سے تھے۔

دیوان کی تاریخ ولادت اور یہ کہ وہ کہاں پیدا ہوئے اور آرکاٹ کب اور کہانسے آئے پتہ نہیں چلتا البتہ تاریخ ترتیب(۲) انشاے دیوان المسمٰی ''بعرضۂ دیوان'' سے جو نواب سعادت‌الله خان (۱۱۲۲ھ تا ۱۱۴۶ھ) کے انتقال کے وقت ترتیب دیگئی توثیق ہوتی ہے کہ انکو نواب صاحب موصوف ہی نے اپنے ابتدائی زمانہ میں آرکاٹ بلوایا تھا۔ انکو سالہا سال نواب صاحب کی همرکابی کا شرف حاصل رہا ہے اور نواب علی دوست خان شہید کے تو یہ داماد ہی تھے۔

علم و فضل :- دیوان علوم متداولہ عربی و فارسی تفسیر و حدیث، کلام و منطق و فلسفہ و هیئت و نجوم و عروض میں یدطولٰی رکھتے تھے انکی فارسی شاعری اور نثر نگاری اور علم بدیع میں مختلف موضوع صنائع و بدائع لفظی و معنوی میں خامہ فرسائی انکی ذهانت، جدت اور کمال فن پر دلالت کرتی ہے گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ظہوری صفحہ قرطاس پر گل افشانی کر رہا ہے۔

همعصر شعراء :- دیوان بڑے، ملنسار اور یار باش آدمی تھے اکثر دن دن بھر دوست و احباب کی محفلوں میں بڑے عیش و عشرت کے

---

(۱) تاریخ هند انگریزی مولفۂ تھامسن ۔ مطبوعہ۔
(۲) انشاء دیوان مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ -
(۳) گلدستۂ کرناٹک مولفۂ رایق مخطوطہ کتب خانہ عمر یافعی -

ساتھ بسر ہوتی تھی اور ان محفلوں میں شعر و شاعری کی مجلسیں گرم رہا کرتی تھیں اور اسی وقت فی البدیه غزلیں کہی جاتی تھیں اور اپنے ہمعصر اہل کمال کے ساتھ خوب مقابلہ رہتا تھا اور انسے سبقت لیجایا کرتے تھے نیز اردو شاعری کی بھی معاصرین کے ساتھ مشق سخن جاری تھی - دیوان نے میلاپور اور کنچن نگر کے خوشنما مناظر اور وہاں کی مہ جبینوں کی بڑی مدح سرائی کی ہے ایک خط میں اپنے ایک دوست کو اسطرح لکھتے ہیں:

''ازآن باز که سیر فرماے چمنستان بہار آباد چنیاپٹن و نظارگی جلوہ زار پریرویان میلاپور شدند گاہے لب تشنگان وادی فراق و آبله پایان صحراے اشتیاق را از رشحات سحبات دولت انصال سراپا بہجت و اقبال را تر نساختند ''

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''روزے در باغ بہار آباد چمن آراے حدیقه محبت دوستان حیدر یار خان ہنکام عشوہ خیزی نورستگان کشت زار لالہ آ دبری از لاله کاران چمنستان معانی که ہر یک غازہ طرازہ چہرہ عرایس حسن محبت و یکرنگیہا بودند تمام روز بغزل خوانی و شعر پردازی جلوہ آراے شاہد عشق و نشاط میبودند الخ ''

غرض کہیں گلگشت ہمیشہ بہار آرکاٹ کا ذکر ہے اور کہیں

---

(۱) انشاء دیوان مخطوطہ آصفیہ -
(۲) میلاپور ، گزیٹر جنوبی ہند انگریزی مولفۂ -
(۳) انشاء دیوان مخطوطہ آصفیہ -

چنیاپٹن و کنچن نگر کے خوشنما مناظر کا ۔ اور کہیں قصبہ کلوہ(۱) کی شکارگاہ اور کہیں ایلور و میلاپور کی تفریح گاہوں کے دلچسپ مشاغل کا تذکرہ ہے ۔

ہمعصر شعراء :۔دیوان کے معاصرین شعراء میں حیدر یار خان(۲) و حیدر علی خان شیخ امین(۳) اسرائیلی امین تخلص. رائے دکنی رام منشی.(۴) میر مرتضی مثنوی(۵) جنمیں حیدر یار خان اور حیدر علی خان، دیوان کے وہ خاص دوست ہیں جنکے باغ میں تمام تمام دن غزل خوانی اور شعر پردازی ہوا کرتی تھی جسکے متعلق ہمنے سطور بالا میں حوالہ دیا ہے ۔ ہم یہاں مختصر اقتباس درج کرتے ہیں :۔

"حدیقۂ محبت دوستان"............... حیدر یار خان تمام روز بغزل خوانی و شعر پردازی جلوہ آرائے ساعد عشق و نشاط می بودند"

دوسری جگہ حیدر علی خان کا اسطرح ذکر فرماتے ہیں :۔

"بدیہہ سخن مختصر سخنوران فصاحت فن شبے در جلوہ جوش انجمن فصاحت موطن نشہ افزائے دوستان دلہائے حیدر علی خان

---

(۱) کلوہ آرکاٹ سے (۱۰) میل ہے ۔

(۲) غالباً حیدر یارخان ابن شیخ محمد نقی ہمعصر آصفجاہ اول ہیں جو داروغہ قلعجات دکن تھے وفات سنہ ۱۱۳۵ھ (تذکرہ شعرائے دکن مولفہ عبدالجبار خان ملکاپوری) جلد ۱ ۔

(۳) شیخ امین اسرائیلی مصنف گلشن سعادت مجمع‌الانشاء، (ملاحظہ ہو گلدستہ کرناٹک مؤلفۂ رایق) ۔

(۴) منشی ۔ مصنف سعید نامہ (حالات نواب سعادت اللہ خان) مخطوطہ کتبخانہ آصفیہ ۔

(۵) گلدستہ کرناٹک مخطوطہ مملوکہ احقر ۔

اکثر صاحبان رموز فہم مخترعات سخن گرم جولان سمند تیز گام خیال معنی نگاریہا بودند،،

دوسرے رائے دکھنی رام اور جسونت رائے منشی ہیں جنکا ذکر اگرچہ کہ انشائے دیوان میں نہیں ہے مگر چونکہ نواب سعادت اللہ خان کے خاص منشی اور دیوان تھے اور فارسی و اردو کے اچھے شاعر تھے اسلئے دیوان کی ان سے ضرور صحبت رہی ہوگی - تیسرے شیخ امین اسرائیلی امین ہیں یہ بھی نواب صاحب کے محکمہ دارالانشاء کے دبیر تھے شاید یہ وہی محمد امین ہیں جنکے ایک تنازعہ کے متعلق جو مخدوم خان کے ساتھ قلعہ ویلور میں ہوا تھا نواب صاحب نے خاص طور پر دیوان سے دریافت کیا تھا جسکا جواب دیوان نے تفصیلی طور پر اپنے ایک مکتوب میں دیا ہے -

چوتھے خاص طور پر قابل ذکر میر مرتضٰی منزوی ہیں جو نواب علی دوست خان کے زمانہ میں شاہجہان آباد سے ویلور آئے. باقر علیخاں قلعدار ویلور کے رفیق رہے - فلسفہ، رمل، نجوم اور علم ہیئت کے بھی بڑے ماہر تھے - آخر عمر میں آرکاٹ چلے آئے اور گوشہ نشین ہو گئے اور اس درجہ مستغنی تھے کہ آرکاٹ کا ایک امیر، نواب نصیرالدولہ ملنے آئے تو انکار کر دیا اپنی اس وضعداری کے متعلق فرماتے ہیں ؎

اے منزوی از وضع نو عالم گلہ دارد
گردون طپس آورد و زمین زلزلہ دارد

دیوان نے غالباً نواب علی دوست خان ہی کے استفسار کے جواب میں انکی ایک کتاب جواهرالاشعار کا حوالہ دیا ہے - نیز نواب محمد علی خان

والا جاه (۱۱٦۲ھ - ۱۲۱۰ھ) سے بھی آپکے بیحد تعلقات تھے، صنعت توشیح میں ایک منظوم مکتوب والا جاه کو لکھا تھا جسکا مطلع یہ ہے :-

محبت گسترا پاینده باشی
چو خورشید از کرم تابنده باشی الخ

ہمعصر امراء :-بعض امرائے کرناٹک جو دیوان کے اعزاء تھے انکا احترام دیباچہ اسطرح ذکر دیا ہے :-

خوانین بلند مکان صفدر علیخان(۱) و حسین دوست خان(۲) و صفدر حسین خان(۳) و علی نقی خان(۴)، میر فیض الله خان وغیره نیز اپنے ایک خاص رفیق میر محمد رضاء کے متعلق ایک معرکہ میں انکے واقعہ شہادت کے ضمن میں اسطرح رقمطراز ہیں -

---

(۱) نواب صفدر علیخان ابن نواب علی دوست خان شہید المتوفی ۱۱۵۵ھ جو نواب علی دوست خان کے بعد ناظم آرکاٹ ہوے مگر ایک ہی سال بعد شہید کر دئیے گئے (تزک والا جاهی مولفہ برهان خان هانڈی) مخطوطہ دفتر دیوانی و مال حیدر آباد دکن -

(۲) نواب حسین دوست خان نائطی عرف چندا صاحب ہمزلف دیوان و حاکم ترچناپلی جنہوں نے نواب محمد علی والا جاه کو فرانسیسیوں کی مدد سے ترچناپلی میں محصور کردیا تھا اور اسی زمانہ سے مغربی اقوام نے رؤسائے هند کے معاملات میں دخل دینا شروع کردیا تھا (تزک والا جاهی برهان خان) -

(۳) صفدر حسین خان نوایط، نواب سعادت الله خان ناظم آرکاٹ کے ایک عزیز تھے جنکی ایک صاحبزادی نواب محمد علی رض والاجاه سے منسوب تھی (ترک والاجاهی برهان خان ص-)

(۴) تقی علیخان یا علی تقی خان نام میں کچھ جزوی اختلاف معلوم ہوتا ہے غالباً جاگیردار و نداوش ہمزلف دیوان و "از بنی اعمام علی دوست خان شہید" ترک والاجاهی برهان خان -

''گل گلذار سعادت و صفا و شمع شبستان انجمن کاتب وفا
میر محمد رضاء که درین عالم یگانه عصر و از آئین مردی
و مردانگی کامل عیار بود شہید نمود،،

میر صاحب مذکور نواب سعادت‌الله خان کی فوج کے ایک عہده دار بھی تھے اور لشکر کشی اور صف آرائی کے وقت نواب صاحب کے همرکاب رہا کرتے تھے - اور معرکۂ پونکنور و کرنپات میں کسی مفسد راجه کے مقابله میں سخت مجروح اور قید ہوئے اور انکے فرزند داد مردانگی و شجاعت دیکر کام آئے - بالاخر انکو بھی راجه نے قتل کر دیا، دیوان لکھتے ہیں :-

''میر مسطور اگرچه در کار جوانمردی و جانبازی کوتاهی
نکرده لیکن بسبب عوارض بے سرانجامی و عدم رسیدن
کمک خیلے عاجز آمده لاعلاج از پاس آبرو بنا بر پیشدستی
کشان معاند مقهور خود معه پسر شمشیر جواهردار و
خونریز و خونخوار برنگ گلبرگ در دست گرفته خود را
در میدان محاربه انداخته بکوته عراق پیوسته داد شجاعت و
مردانگی داد اما یک با هزار چه توان کرد پیادهها ے
کافر مسطور از سنان و تفنگ عرصه‌جات برو تنگ نموده
پسرش بکار آمد، میر مذکور را سخت مجروح ساخته زنده
بقید آورد پیش نا سردار کلفت آثار بردند ــــه

فراوان بر تن آن شیر نر زد
سنان و بلم و تیر و تبر زد

کافر مردود آن زخم خوردۂ حلول‌المراج چند زخمها بزخمها ے
تازه زده بقتل رسانیده،،

شاعری میں تلمذ:- شاعری میں دیوانؔ کو کس سے تلمذ تھا معلوم نہ ہو سکا مگر یہ ضرور ہے کہ انہوں نے اپنے وقت کے کسی با کمال شاعر سے اصلاح لی ہے جسکے اشارے انشاے دیوان (۱) میں موجود ہیں۔ دیوان شعراے آرکاٹ میں طبقہ اول کے شاعر ہیں جنہوں نے نواب سعادت اللہ خان و علی دوست خان کا زمانہ دیکھا اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ آرکاٹ میں اگرچہ کہ کوئی باقاعدہ مجلس مشاعرہ نہ تھی جیسی کہ نواب غلام غوث خان والا جاہ المتخلص بہ اعظم(۲) کے زمانہ میں ہوئی، البتہ نواب سعادت اللہ خان ناظم اول آرکاٹ خود فارسی اساتذہ سخن کے دلدادہ تھے اور نہایت سخن فہم اور سخن سنج تھے نواب صاحب(۳) مغفور کو مرزا صائب تبریزی ، میرزا عبدالقادر بیدل اور شیخ ناصر علی سرھندی کا کلام بہت مرغوب تھا اور مثنویوں میں مثنوی نل دمن فیضی اور مثنوی مہر و ماہ عاقل خان رازی، مثنوی زلالی اور مثنوی میرزا محمد زمان خان راسخ نہایت شوق سے سنا کرتے تھے نیز آپ نے دکھنی اردو کی بھی سرپرستی فرمائی ہے چنانچہ اپنے خاص منشی جسونت راے تخلص منشی سے مثنوی سیف‌الملوك و بدیع الجمال دکھنی مصنفۂ غواصی کا ترجمہ فارسی میں کرایا اور مثنوی گلشن عشق ملک‌الشعراء نصرتی کا جواب دکھنی زبان میں منشی ھی سے لکھوایا تھا۔ بلکہ ایک دکھنی شاعر بیجاپوری مسمی عبداللہ ذاکر آپکے دربار میں موجود تھے اور ان سے خاص طور پر

---

(۱) انشاے دیوان قلمی کتبخانہ آصفیہ -

(۲) مجلس مشاعرۂ اعظم تذکرۂ معدن الجواہر مولوی مہدی واصف مدراسی دیکھو نیز مضمون مولوی محمد حسین محوی رسالہ انجمن ترقی اردو -

(۳) سعید نامہ مؤلفہ منشی ، مخطوطہ کتبخانہ آصفیہ -

دکھنی اشعار سنا کرتے تھے بلکہ بعض اوقات ایام عاشورہ میں خود مرثیے بھی دکھنی زبان میں کہتے تھے، چنانچہ مولف سعبدنامہ لکھتا ہے

"نیز مرضی مبارك بمقتضا اینکه اکثر اوقات در ایام عاشوره مرثیه امام مبرور بزبان دکھنی از طبع انور و طبیعت معنی پرور بفصاحت و بلاغت تمام پیرایه ظهور می بخشید،،

نیز امین اسرائیلی بھی دکھنی میں کہا کرتے تھے چنانچہ امین نے نواب صفدر علی خان کا مرثیہ (۱) لکھا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

امین اخلاص اهل بیت طاعت دو جہانکی ہے
حضور دل سوں اے صفدر توں، سرسوں چل نین سوں چل

غرض یہ زمانہ بھی شعر و سخن سے خالی نہیں رہا ہے دیوان بھی ان مجلسوں سے بہرہ اندوز ہوتے ہونگے علامہ باقر آگاہ اور انکے تلامذہ گویا بساط شعراء آرکاٹ کے آخری مہرے تھے۔

دیوان کے معاصر حیدر یار خان، حیدر علیخان، میر مرتضٰی منزوی، امین اسرائیلی، منشی جسونت رائے، غلام علی آزاد، شفیق مہربان، ناصر علی سرھندی، وغیرہ ھیں ۔ اور دیوان فارسی کے بلند پایہ شاعر ھیں ناصر علی سرھندی کو اپنا ھمسر اور خود کو حافظ شیرازی کا متبع مانتے ھیں چنانچہ دیوان نے اسکا اسطرح ادّعا کیا ہے ؎

نگین در لاله کاری شد برنگ مصرعِ دیوان
مضامین نہان ناصر علی کرد انتخاب اینجا

---

(۱) بیاض قلمی کتبخانه سعیدیه حیدر آباد ۔

چو پر شد عالم ز آواز عقیدتہاے من دیوان
مرید حافظ غیب‌اللسان فکر جوان من

غرض دیوان نه صرف ایک بلند پایه شاعر تھے بلکه ایک جید نثر نگار نیز ایک نہایت بار باش ہر دلعزیز با مروت اور خلیق تھے چنانچه انکی مروت ضرب‌المثل تھی - رایق مؤلف گلدسته کرناٹک لکھتے ہیں :-

''مردے رنگین طبیعت پاکیزه طینت عالی همت بود بارباب هنر ذوی الاختصاص مراعات شایان و تواضع نمایان می نمود،،

ارباب علم و ہنر کا بڑا احترام ملحوظ رکھتے تھے اور مروت کی یه حالت تھی که آپ جن اشیاے نفیسه کو اپنے لئے فراہم کرتے اور وه چیز خواه وه کوئی شخص ہو پسند آ جاتی تو یه آپکی مروت سے بہت بعید تھا که وه شخص خالی ہاتھ چلا جاے مجبوراً اسکو قبول ہی کرنا پڑتا چنانچه رائق فرماتے ہیں :

''این مرد عجیب ذی همت و حاتم خصلت بود که هر کسے از خویش و بیگانه بخانه‌اش وا رسید اقسام اشیاے نفیسه که آن را فراهم می نمود براے ملاحظه پیش آن مردم می‌کشید بعد دیدنش هر کسے که تعریف چیزے نفیس از آن بعادت معهود می ساخت آن هر شئے را باو مرحمت میکرد اگر کسے ابا میکرد ناخوش می شد و باغراق در قبولیت آن الحاح می ساخت آخر آنکس چار و ناچار قبولیت آن می پرداخت،،

بہر حال بیش قیمت سے بیش قیمت چیز کا اسطرح دیدینا کوئی معمولی بات نہیں بڑی عالی ہمتی پر دال ہے اور ایسے لوگ شاذ و نادر پیدا

ہوتے ہیں یہ اسوقت کے عالی ہمت امراء کی داد و دہش کا ایک ادنٰی نمونہ تھا گویا وہ حسن سلوک کے لئے ایک بہانہ ڈھونڈا کرتے تھے بقول عرفی شیرازی ؎

''اقبال کرم میگزد ارباب همم را''

نواب سعادت‌الله خان نائطی، نواب آرکاٹ وفات (١١٣٦ھ) سے دیوان کی خط و کتابت رہی ہے ۔ جسکے اشارے اس انشاء میں ملتے ہیں ۔ چنانچہ نواب صاحب مغفور کے مختلف علمی و سیاسی اور ذاتی استفسارات کے جوابات کا مختصر اقتباس یہ ہے :۔

نواب صاحب نے ایک مکتوب میں لکھا تھا :۔

'' کوایف مقدمه مراد خان مفصل بر نگارند ،،

جسکا دیوان نے جوابدیا کہ :۔

''حقیقت مقدمه خان مذکور کما حقه بر خاطر تجلی مآثر ظاهر است احتیاج اظهار کردن ندارد ،،

دوسرا مکتوب دیوان :۔ورود عنایت نامه مکرمت لطیفه در باغ کرم گستر دوستان حیدر علی خان در آئے کہ دل اخلاص منزل منتظر ظهور نیز مقصود می بود برتو ورود فیض آمود افگنده مورث بیکران جمیعت و فرحت گردیده الخ ۔

تیسرے مکتوب میں نواب صاحب کے آرکاٹ پہنچنے کی اس طرح مسرت ظاہر کرتے ہیں :۔

''ما از سرف وصل تو ماندم محروم
در دست غمت سوختم از باد سموم
دردا که پریشانی جمعیت ما
از سیر سیاره بود تا سیر نجوم

رسیدن آرکاٹ پرتو ورود مسرت باعث اهتزاز و انبساط گردید۔

چوتھے مکتوب استفسار علمی :-

''نگار شده نسخه رمل از میر محمد اعظم گرفته ارسال دارند،،

جسکا جواب دیا کہ :-

''میر مذکور بارادهٔ تجارت عازم تفرج بندر چنیاپٹن شدند
همینکه میرسند نسخه مذکور طلبیده ابلاغ خواهد نمود،،

پانچویں مکتوب میں نواب صاحب کی اولیاء اللہ وقت سے کمال عقیدت ظاہر ہوتی ہے ایک بزرگ حضرت امین الدین علی رحمۃ آرکاٹی، مرشد فقیر علی شاہ چشتی کو جنکے مرید اورنگ آباد کے ایک جید اردو شاعرشاہ قاسم علی بھی تھے، دیوان کے ذریعہ آم کا تحفہ بھجوایا تھا، یوں جواب دیتے ہیں :-

''در ماده ارسال ڈالی انبه بجناب قبله صورت و معنی حضرت
امین الدین علی صاحب مرقوم قلم مهربانی رقم شده بود
مهربانا حسب الارشاد ڈالی انبه معه عریضه از طرف آن
مهربان با محمد غالب ارسال نموده آید،،

اسکے علاوہ دوست احباب بھی دیوان کو تحفہ و تحایف بھی ارسال فرماتے تھے چنانچہ کسی دوست کو لکھتے ہیں :-

''مطابق فرمودهٔ سامی عظامی دو طاقه مخمل خرید کرده
فرستاده شد،،

ایک مرتبہ لکھا کہ کتاب اعجاز خسروی کو رائے خوب چند کی سرکار میں موجود ہے اور عظیم الدین طالب علم سے آپکے روابط ہیں منگوا لیجئیے۔ ایک خط میں غالباً نواب علی دوست خان کو صدارت آرکاٹ

کی مبارکباد لکھ بھیجی، اور دیوان شوکت (بخاری ؟) کی فرمایش کے جواب میں لکھا کہ حیدر علی کلوہ گئے ہوئے ہیں آنے کے بعد بھیجدونگا۔ اور کسی کو لکھا کہ نسخہ جہان الرمل کا نسخہ عاشور بیگ رسال کے پاس آرکاٹ میں تھا۔ بوجہ تنگی معاش سعادت پٹن کی بندرذہ کے راستے بنگال گیا ہوا ہے سنا ہے کہ نسخہ سرخاب کتبخانہ سرکار میں ہے جو آپکو مرغوب ہے۔ مجھے بھی ایک ہفتہ کے لئے بھیجدیجئے۔

وفات:۔ دیوان نے نواب سعادت اللہ خان (۱۱۲۲-۱۱۴۶ھ) و نواب علی دوست خان ۱۱۴۶ھ و نواب صفدر علیخان (۱۱۵۳-۱۱۵۵ھ) کا زمانہ دیکھا اور نہایت آن بان سے زندگی گذاری مگر معلوم ہوتا ہے نہ نواب علی دوست خان اور نواب صفدر علیخان کی شہادت نے اور بعض خاص دوست احباب کی وفات اور دنیا کی بے ثباتی نے انکا دل سرد کر دیا اور اس وجہ سے انہوں نے گوشہ نشینی کو ترجیع دی ہو چنانچہ مؤلف گلدستہ کرناٹک(۱) نے اسطرح اشارہ کیا ہے۔

''دامن از ارتباط دنیا برچید و ہمچو وا رستہ مزاجان در گوشۂ خلوت انزوا گزید،،

دیوان کی زیادہ تر بود و باش ویلور(۲) میں تھی جہاں انکے اعزاء موجود تھے اور یہیں انکا انتقال ہوا تاریخ وفات کا پتہ نہیں چلا اور نہ

---

(۱) گلدستۂ کرناٹک مؤلفہ رایق (باقر حسین خان حکیم) مخطوطہ کتبخانہ عمر یافعی۔

(۲) ویلور متصل (آرکاٹ) یہاں کا تاریخی قلعہ مشہور ہے۔ جہاں ٹیپو سلطان شہید کے شہزادے قید تھے، موطن و مسکن اقطاب ویلوری مولانا قربی و ذوقی، و علامہ غلام محی الدین ویلوری، جن کا مدرسہ و خانقاہ و کتبخانہ بہت مشہور ہے۔

کسی تذکرہ نویس نے اسکا ذکر کیا ہے مگر انکا مقبرہ کوہ ویلور کے دامن میں ہے جسکی رایق نے اسطرح نشان دھی کی ہے :-

''مقبرہ اش در دامن کوہ دارالسرور ویلور واقع است،،

چونکہ دیوان نے نواب محمد علی والا جاہ ۱۱۶۲ - ۱۲۱۰ھ کی نعریف کی ہے اسطرح دیوان محمد لی خان والا جاہ کے عہد میں بقید حیات تھے -

تصنیفات :- دیوان کی تصنیفات میں ہم نو صرف انشاے دیوان کتب خانہ آصفیہ میں دستیاب ہوئی جو دیوان کے منشآت کا اعلی نمونہ ہے -

انشاے دیوان کے اسوقت چار نسخے ہمارے پیش نظر ہیں ــ

پہلا نسخہ کتب خانہ آصفیہ (فن انشاے فارسی) نمبر ۹۶ بخط شفیعا نفیس - مکتوبہ سنہ ۱۲۲۸ھ -

دوسرا نسخہ کتبخانہ آصفیہ (فن سلسلہ جدید) نمبر ۲۱۴ نافص الاخر، سنہ کتابت ندارد -

تیسرا نسخہ کتب خانہ دفتر ملکی و مال حیدرآباد مکتوبہ سنہ ۱۲۵۸ -

چوتھا سب سے قدیم نسخہ انڈیاآفس، مکتوبہ سنہ ۱۱۵۰ھ

جو ضمیمہ فہرست مخطوطات فارسی مرتبہ ایتھیے میں درج ہے بلکہ دیوان کے کلیات کا نایاب مجموعہ نظم و نثر بھی انڈیا آفس میں ہماری ناقدری کیوجہ سے منتقل ہوگیا جو وھاں محفوظ ہے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے

مگر وہ علم کی دولت کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھو انکو یورپ میں تو دل ھوتا ہے سی پارہ

شاید هی هندوستان کے کسی کتب خانه میں اس کا کوئی نسخه هو اسلئے هم یہاں فہرست مرتبه ایتھے سے تفصیل درج کرتے هیں - جس سے واضح هوگا که دیوان کو مختلف علوم مین بڑی مہارت تھی - ایتھے لکھتا هے :-

کلیات دیوان ۱۷۰۰ء :-

"Complete works in Prose and Verse"
"By a Hither to unknown Auther Zainulabidin"
"Brader—(see folio 114 B. 1-9) with"
"Takhallus Diwan".

جس کی فہرست بھی ورق نمبر ۱ ب اور نمبر ۲ الف پر موجود هے - جس مین دیوان کی ۳۸ فارسی و اردو تصانیف کا ذکر هے -

نوعیت و تفصیل کلیات: - بزبان نثر شروح مختلف مصنفات مثلاً تصوف ، ادبی و تحقیقی ، مباحث ، تفسیر و حدیث وغیره پر مشتمل هے - جس مین حسب ذیل کتب و رساله جات موجود هیں :-

(۱) - رساله فیوضات الفاتحه که تفسیر سورۃ الحمد است بجامعیت علوم اجمالیه فیض یابان فیوضات غیبی را بہوائے الخ (ورق نمبر ۳ ب) -

(۲) - حاشیه رساله فیوضات‌الفاتحه از مصنف (دیوان) ورق نمبر ۳۵ ب -

ابتداء : الٰہی آفتاب صبح عزت کن زبانم را الخ -

(۳) - حل معنی حدیث نبوی صہیبیه (ورق ۹۲ ب) -

(۴) - اظہار اسرار فاطمویه (ورق ۹۶ ب) -

(۵) - رساله شمۃ‌الاسرار مرتضویه (ورق ۹۹ ب) -

(۶) - رساله اتفاقیه مذهبیه (ورق ۱۱۶ ب) -

(۷) - نسخه دائرۂ وجود و هیئۃ (ورق ۱۱۲ ب) -

(۸) - نسخه اجوبه خمسه عربیه (ورق ۱۳۰ ب) -

(۹) - تحقیق گردش آفتاب (ورق ۱۳۶ ب) -

(۱۰)- نسخه شرح بیت اول مثنوی مولوی روم (ورق ۱۴۰ ب) -

(۱۱) نسخه شرح غزل اول دیوان حافظ شیرازی (ورق ۱۴۷ ب) -

(۱۲) نسخه شرح ابیات مثنوی مولوی روم (ورق ۱۵۴ ب) -

(۱۳) کتاب شرح سلم العلوم (منطق) مصنفه قاضی محب الله بن عبدالشکور بہاری وفات ۱۱۱۹ھ/۸-۱۷۰۷ء - (تالیف ۱۱۰۵ھ) -
(دیکھو فہرست کتب عربی لوتھیان صفحه ۱۵۳) -

(۱۴) حل مستزاد مرزا بیدل (ورق ۲۹۸ب) -

(۱۵) حل معنی رباعی زن شاعره (ورق ۳۰۱ ب) -

(۱۶) رساله شرح ربع مجیبه اسطرلاب (ورق ۳۰۴ ب) -

(۱۷) سوال و جواب پیر و مرید هنگام ملاقات (ورق ۳۱۴ ب) -

(۱۸) رساله رد منافق (ورق ۳۲۰ ب) -

(۱۹) استفسار شبه المتار بین بادایه ورق ۳۴۶ ب) -

(۲۰) نسخه رد غیریت حقیقی -(ورق ۳۴۹ ب) -

(۲۱) حل معنی هر سه بیت مشهوره (ورق ۳۵۶ ب) -

(۲۲) تحقیق حدوث و قدم کلام مجید (ورق ۳۵۹ ب) -

(۲۳) رساله کلید سندر سنگار [1]-

---

(۱) سندر سنگار کا ایک نسخه قلمی ٹیپو سلطان شہید کے کتبخانه میں موجود تھا ، دیکھو فہرست مرتبۂ اسٹوارٹ ، کتبخانه ٹیپو سلطان -

بزبان هندی مصنفه سندر سہاکوی ، معنون به مغل شہنشاہ، شاہ جہان، (۱۶۳۲ء) جسکے دو نسخے فہرست کتبخانہ بوڈلین کے ۲۳۵۳—۲۳۵۴ پر محفوظ ہیں ، اسکا تیسرا نسخہ انڈیا آفس کی فہرست میں ۱۹۴۷ پر مخزون ہے - اور گارسان دتاسی نے اپنی تاریخ ادب ہندستانی وغیرہ کے صفحہ ۱۷۷، اور ورق ۳۶۲ ب حصہ سوم میں ذکر کیا ہے۔

(۲۴) حل معنی نغزان شیخان آملی (ورق ۳۷۵ ب) -

(۲۵) حل معنی نغز بدر چاچ (ورق ۳۷۹ ب) -

(۲۶) کتاب شرح ابیات غوامض مرزا جلال، اسیر وغیرہ (۳۸۲ ب) -

(۲۷) سراپاے دیوان (ورق ۴۱۵ ب) -

(۲۸) حسن دیوان، ورق ۴۱۹) ب) -

(۲۹) شرح اسرارخمر(۱) از ابیات دکھنی حضرت شمس؟ شمس ولی‌اللہ دکھنی شاعر معاصر عالمگیر، دکھنی کا صاحب دیوان شاعر (ورق ۴۲۴ ب) -

(۳۰) دستورالعمل و اختراعات تازہ (ورق ۴۲۸ ب) -

(۳۱) کتاب (۲) انشاے دیوان (ورق ۴۳۱ب/۴۶۳الف -

(۳۲) ترتیب مجلس جشن (ورق ۴۶۴ب) -

---

(۱) گویا دیوان ولی دکھنی سے خمریہ اشعار کی شرح کی ہے - جو نایاب معلوم ہوتی ہے - جس کا اب تک کسی مصنف و مؤلف نے ذکر نہیں کیا ہے -

(۲) انشاء دیوان ، یہ وہی نسخہ ہے، جس پر ہمارا یہ مضمون مشتمل ہے - انڈیا آفس کا یہ نایاب مخطوط ہے جو دیوان کے زمانہ حیات کا نسخہ ہے -

(۳۳) عرس حضرت امام علیہ‌السلام (ورق ۶۸۴ب—۴۷۲)
(تصنیف ۱۱۴۵ھ) -

(۳۴) آمد(۱) ابیات دکھنی، (ورق ۴۷۳ب—۴۷۶)

(۳۵) رویہ ردیہ .... (ورق ۴۷۷ب) -

(۳۶) سبب قصیدہ دکھنی (ورق ۴۸۳ب) -

(۳۷) دیوان دیوان - دیوان غزلیات ردیف‌وار، آخر میں طویل نظم ہے -

ابتداء: الہی آفتاب صبح عزت کن زبانم‌را
تجلی رنگ بست بزم معنی کن بیانم را

اور یہ بیت کتاب نمبر ۲ متذکرہ صدر پر بھی درج ہے - صرف درج نہیں البتہ خود مصنف کا قلمی معلوم ہوتا ہے -

مخطوطہ نمبر ۲۲۱، جملہ اوراق ۵۲۰ - بخطہ شکستہ، عنوانات، جلی قلم سے - تقطیع $5\frac{1}{8}$ اور $2\frac{1}{2}$ گویا اس مجموعہ میں اسطرح ۳۷ مختصر و طویل تالیفات تصنیفات شامل ہیں جو تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل ہے -

انشاء دیوان :- مخطوطہ کتبخانہ آصفیہ نمبر ۹۶، صفحات (۸۵) سطر (۱۵) تقطیع تقریباً (۶"×۸") - نستعلیق معمولی -

آغاز :- شعر

افتتاح سخن آں بہ کہ کند اہل کمال
بہ ثنائے ملک‌العرش خدائے متعال

---

(۱) غالباً، یہ جزو، انشاء دیوان سے متعلق ہے - جس کا ذکر انشاء میں موجود ہے، اور دیوان کے فی البدیہہ دکھنی کلام سے متعلق ہے -

سپاس بیقیاس مر مبدعی را سزاست که مذهب صفحات مجدوله صحایف سمٰوات مرتفعه نقش پذیر قلم اختراع رقم قدرت اوست الخ ــــ

تمہید ''پوشیده نماند که این جرعه نوش صهبائے خمخانه ارباب معنی ایجادان سخنور زین‌العابدین برادر المتخلص به دیوان میگوید که شبے از شبها که نظرات کواکب سیار چون انظار دوستان الفت شکار دوستی گلکار بو دیاران همدم و دلدار دوستان رفیق و و انست شعار...............

که شبانه روز هنگامه آرائے بزم طرب و نشاط و چراغ افروز کاشانه فرحت و انبساط می بودند از رنگین سخنان دلپذیر برنگ آمیزی خواهش کثیر باعث برآن گشتند که چند لالی گرانبهائے ناسفته مضامین زاده دودهٔ قلم شکسته رقم را بحسن عبارت ذائقه شایقه انگیز که گلدسته بدستان معنی‌هاست زینت طراز عرصه خیابان بساتین صورت رساند.........

در اندک فرصتے مسودات مرقومه قلم بدایع نگار که در حیز تحریر و تسطیر آمده بود جمع نموده ''**بعرضه دیوان**'' که اعداد حروفش جلوه پرداز سال تحریر نقش راز رنگین مسودات است مسمی کرد........

بر سه فصل و خاتمه که از فصل اول در مکتوبات مرسله فصل دوم در رقعات مصنوعه و فصل سیوم در محذوفات متنوعه و خاتمه در مسودات مختلفه ترتیب داده آمد الخ''

ترقیمہ :—تمت تمام شد، انشاء دیوان بفضل کریم ایزد سبحان رحیم و رحمان، کاتب الحروف غوری خان ولد حکیم داؤد خان غوری بروز سہ شنبہ بتاریخ ہفدہم ماہ ربیع الاخر سنہ ۱۲۲۵ھ.......

غوری خان ابن حکیم داؤد خان کون تھے پتہ نہیں چلا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اسکی کتابت سنہ ۱۲۲۵ھ ہے اور اسکا سنہ تصنیف کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ ”در اندک فرصتی مسودات مرقومہ قلم بدیع نگار کہ در حیز تحریر و نظر آمدہ بود جمع نمودہ.............“۔

’بعرضہ دیوان“ :- ۱۱۴۶ھ کہ اعداد حروفش جلوہ پرداز سال تحریر نقش راز رنگین مسودات است مسمی کرد۔ گویا یہ مخطوطہ سنہ تصنیف سے (۷۹) سال بعد کا ہے اسکا ایک دوسرا مخطوطہ کتبخانہ دفتر دیوانی و مال حیدرآباد میں ہے جسکا سنہ کتابت سنہ ۱۲۰۸ھ ہے گویا یہ اول الذکر مخطوطہ سے ننتیس سال بعد کا ہے البتہ اسکا ایک قریب ترین زمانہ کا یعنی تاریخ تصنیف سے صرف چار ہی سال بعد کا مخطوطہ مکتوبہ سنہ ۱۱۵۰ھ انڈیا آفس لندن میں موجود ہے، جسکا ذکر مسٹر ایتھیے نے اپنی ضمیمہ فہرست میں کیا ہے دیوان نے اپنی اس انشاء کو نواب سعادت اللہ خان ناظم آرکاٹ کی وفات اور علی دوست خاں کی جانشینی کے وقت مرتب کیا ۔ چنانچہ اسمیں نواب علی دوست خاں کی جانشین کی مبارکباد کا قطعہ بھی موجود ہے جو سنہ ۱۱۴۶ھ میں عمل میں آئی تھی دیوان دکن کے ابوالفضل یعنی آصفجاہ اول (المتوفی ۱۱۶۱ھ) کے میر منشی موسوی خاں جرأت اور شیخ محمد امین اسرائیل منشی، سعادت اللہ خان نواب آرکاٹ کا ہمعصر ہے۔

چونکہ دیوان کا کلام کمیاب ہے اور کلیات دیوان انڈیا آفس لندن میں ہے ۔ اور مدراس کے تذکروں میں صرف ایک ہی فارسی شعر درج ہے ۔ اور بعض مرثیوں کے اشعار بعض جدید تذکروں میں آگئے ہیں ۔ اسلئے ہم انساے دیوان سے، اس شاعر باکمال کی فارسی و دکھنی فی البدیہہ کہی ہوئی غزلیں اور فارسی انشاء پردازی و صنایع و بدایع کے نمونے نیز بعض تاریخی حالات کے اقتباسات درج ذیل کرتے ہیں ۔ کیا اچھا ہو کہ جامعہ مدراس کا شعبہ علوم مشرقیہ، کلیات دیوان کی نقل انڈیا آفس سے حاصل کر کے اسکو مرتب کردے ۔ جسطرح اور شعراء کا کلام مثلاً دیوان ابجدی وغیرہ مرتب کیا گیا ہے ....

غالباً حسب ذیل غزل، نواب سعادت اللہ خاں نواب آرکاٹ المتوفی سنہ ۱۱۴۶ھ کی خدمت میں یا نواب علی دوست خاں جلوس سنہ۱۱۴۶ھ کے ملاحظہ میں بھیجی گئی تھی طرز تحریر و مخاطبت سے اسکی تائید ہوتی ہے ۔

"در حین نقش پذیر کردن سطور عریضہ نیاز غزلے نوک ریز خامہ معنی طراز گردیدہ یقین کہ بنظر انور خواھد گذشت "

بہار نشہ بخش صبحدم موج شراب اینجا
برنگ جام میگردد ایاغ ماھتاب اینجا

ازان ساقی گل اندامے پیام آرد بجاسوسی
نسیم صبح جان بخش وھواےجوے آب اینجا

نقاب شرم از خود چون کشد گاه سحر خیزی
پریدن رنگ شبنم میشود دود سحاب اینجا
جنون بخش خیالم میشود طرز نگاه او
برنگ باده لبریز است موج اضطراب اینجا
تجلی جوش بدمستی به هنگامی خرامیدن
کند دلہاے عالم را نمک‌ریز کباب اینجا
صداے ناله بےصوت ناساز طپیدنہا
رگ کلکم بمضراب نفس تار رباب اینجا
چه باک‌است اینکه می پرسم ز داماں سیه‌کاری
بفیض سایه‌گستر شد نگاه بوتراب اینجا
همینم بس بود دولت بیاد چشم فتانش
که می ریزم بجاے اشک خون لعل ناب اینجا
نگین در لاله کاری شد برنگ مصرع دیوان
مضامین نہان ناصر علی کرد انتخاب اینجا

حسب ذیل غزلیں نواب حیدر علی خاں کی محفل میں دیوان نے فی‌البدیهه کہی تھیں جسکا اشاره بھی اسطرح کیا ہے :-

''بدیهه سخن مختصر سخنوران فصاحت فن شبے در جلوه جوش انجمن فصاحت موطن نغمه افزاے دلہاے دوستان حیدر علیخان ''...........

''اکثر صاحبان رموز فهم مخترعات سخن گرم جولان سمند تیزگام خیال معنی نگاریها بودند بدیهه دو غزل بخاطر فاتر رسید '' و آن اینست (صفحه ۶۸ انشاے دیوان ۔

اے گداز دل نگاه برق رخشان شما
مرغ جان را دیدهٔ دام است چشمان شما

تا بکے دارم نفس در قید محمل چون پری
رخنه ساز شیشه دل تیر مژگان شما

عالم از تیغ تغافلهاے برق جانگداز
همچو مرغ نیم بسمل کشته حیران شما

بر لقاے مطلعش خمیازه گرد و چون نقاب
آفتاب و مه بوند هر لحظه قربان شما

چون تحمل میشواند گرد جان مضطرب
محرق قلب است جانان سوز هجران شما

جان برنگ دیده تصویر شد محو خیال
میکند تسلیم خود بر وصول فرمان شما

توتیاے دیدهٔ حیران نگاه خود کنم
گر بیابم خاک را و کوے ایوان شما

از خجالت هاے عصیان ما بفرق غفلت است
جرم بخشیهاے ما امید غفران شما

کلک تقدیر من سر مست دیوان ازل
میطرازد دام ما زلف پریشان شما

قصبه کلوه (علاقه آرکاٹ کی شکار گاه میں حیدر علیخان اور دوسرے احباب کے ساتھ دو تین غزلیں فی البدیهه کہی تھیں جنکے منجمله دو غزلیں یه هیں انشاے دیوان صفحه ۶۸ مخطوطه -

تا که دیدم بچمن روے دل آراے را
عشق پرداخت ز من صبر و شکبائی را
محتسب گر کند هرچند نصحیت اے دل
اثر پند نگیرد دل شیدائی را
هر کرا وصل دلارام چو یوسف گردد
گر کشد کسب ز دل عشق زلیخائی را
بہر ممنونی عالم بروم سرگردان
تا که حاصل کنم آن یار دل افزائی را
دار مژگان تو اے قاتل جانم بنگر
دل مستور مرا داد برسوائی را
دود آه هر خسته بیمار بہا
بسته کاری من کرد هیولائی را
بر هرکس مرو از محفل خود اے دیوان
فکر محنت نشود هر دل تنهائی را

---

(۲)

ایکه حسن لایزالت نیست محتاج نقاب
آفتاب از پیش رویت همچو رنگ ماهتاب
گرمی تیغ نگاه برق هستی سوز او
میگدازد دل چو شبنم پیش چشم آفتاب
جان به هجرت میرود زین بسان بوے گل
اشک سیلاب دو چشمم می وزد چون موج آب
همچون گردون چرخ دارد دل بگرد عارضت
اے خدا را از من مشتاق سرو خود متاب

جان بگرداب تحیر شد چو سیماب از فراق
دل بسوز آتش شوقت بسوزد چون کباب
در بیابان جنون اشتیاق روے تو
اوفتادم همچون مجنون نیست تاب خورد و خواب

هنگام وصول فیض شمول رقعه مسرت مرقعه نقشبند تصور غزل بود از فیض مطالعش صورت پذیر گردیده همراه عریضه نیاز مرسول است (انشاء دیوان صفحه ۱۲) -

ـــه

از بسکه قد سرو ترا غمزه و ناز است
قمری صفت عالم همه در طوق نیاز است
در سینه حیران من خسته هجرت
از باد خیال تو دلم گلشن راز است
هر صوت درین بادیه از عین حقیقت
آواز دف و چنگ همه نغمه نواز است
از دیده نگار رخ آن شمع شبستان
چون شعله پروانه دل آغوش گداز است
اے برق آن خرمن صبرم که بیادت
هوشم ز نگاهے تو که چون برق طراز است
اے دیده ز ابروے بتان چشم بگردان
کین خامه عشقست حقیقت نه مجاز است
کے رم کند از دام سیه زلف تو دیوان
چون خاطر محمود که در زلف ایاز است

علاقہ کرناٹک کی سیاحت کے موقعہ پر بندرگاہ چیناپٹن کے مقامات مین حسن اتفاق سے دیوان کو شہر کنچن نگر میں رات کے وقت قیام کا اتفاق ہوا تو وہاں کے ایک سرسبز و شاداب باغ میں صبح کے وقت وہاں کے دلاویز آبشاروں اور بلبلوں اور پرندوں کی نغمہ سرائی اور چہچہاہٹ کا شاعر کے دلپر بے حد اثر ہوا اولاً یہ مناجات فی‌البدیہہ کہی چنانچہ کہتا ہے :-

''صبحی کہ مطابق مضمون دم صحبت کزان فیض بدلہا بخشید بر دل گمشدگان نور تجلی بخشید بوےنسیم سحری پژمردگان شداید محبت الہی را تازہ جان بخشید و صمیم بادصبا شیفتہ دلان لذایذ سحرگاھی پیام فیوضات نمایان میداد و از خواب بیدار شدیم....جواذب محبت آشفتگان اسرار الہی نقش ریز قوت منجلہ برین وجہ گردید کہ چند ابیات متضمن مناجات بجناب حضرت قاضی‌الحاجات گفتہ شود ھموں وقت بمدد ناطقہ معنی طراز مخمسےبدیہہ صورت پذیر گردید''۔

مناجات

خداے من کریم است و رحیم است
جنابش داور ملک قدیم است

بہر جا دست فیاضش نعیم است
نگاھش بر ھمہ عالم عمیم است

بامر داور خلاق عادل
بیک جا گشت آب و آتش و گل

نگاھش برق ریز خرمن دل
زہے نامش کلید حل مشکل

کہ دادش برزبان یار و ندیم است

خدائے خالق دنیا و دین است
توانائی دہ عرش برین است
صفائے بخش ہر جان حزین است
بملک داوری مسند نشین است
عدیلش ز ہر دوستت عدیم است (؟)

فروغ نیر صبح جلالش
طلوع لمعہ مہر کمالش
دمد ہر غنچہ ہا سور نوالش
منور گشت عالم از جمالش
کہ بر ہر ذرہ دمساز سلیم است

خداوندا نگر بر حال دیوان
کہ باشد جملہ مشکلہاش آسان
رہان از دام حیرانی و نسیان
رسان او را بملک امن و امان
کہ بیشک دست احسانت کریم است

یہ غزل بھی حیدر علیخان وغیرہ احباب کی محفل میں فی البدیہہ کہی تھی ملاحظہ ہو انشاء دیوان صفحہ ۶۸ مخطوطہ۔

؎

دلم محو خیال رخ آن شاہ بتان شد
جان در گرہ سلسلہ موئے میان شد
ہر نوک خدنگ مژہ چشم بر نقش
ناسور کن تودہ خاکستر جان شد

دیدم بچمن گل ز ادب لب نکشاید
تا در صحن هر چمن آن سرو چمان شد

چشمت نزند غیر رخت همچو سنجبل
هر کس که بیک دید تو فارغ ز جهان شد

مینائے دل من ز می ؟ صبر و خرد را
بیداری هجر تو چو سنگ یرقان شد

کے پاک شود گر ز تنم جان بدر افتد
کز نغمه منصور سرم پر ز عیان شد

پیوسته به زنجیر سیه کاکل مشکین
دیوان چو سر فاخته آن سرو جوان شد

غزل

دلم کاشانهٔ عشرت بدام جان جان دارد
ز عشق عارضش مارا بخیل عاشقان دارد

بہار گلشن جنس جہان سوزے نگار من
چہا لبریز گلزارے که حسن جاویدان دارد

مپرس از خاطر حیرت پرستم بسکه بیتاب است
خیال جلوه حسننش بدرد خود نهان دارد

چه صیادے که دلها دام زلفش جاے خود سازند
پریروے بدام خود چه صیدے بیکران دارد

بطرز غمزهٔ جادو نگاهے دلربائے من
غزال ازرم طرازیهاست در صحرا مکان دارد

دلم از اضطرابیهائے هجر گل رخ ساقی
برنگ بلبل شیدا بسا شور و فغان دارد

بلا انگیز من دیوان ز استغنائے حسن خود
به میل عاشق مسکین نه پروائے جہان دارد

مندرجۂ بالا غزل اور ردیف واو کی غزل جسکا مطلع یہ ہے

لبریز جلوہ گشت رخ گلعذار تو

نواب حیدر یار خان کے باغ میں فی‌البدیہہ کہی گئی تھیں اور اسوقت دیوان کے اکثر خاص دوست احباب جمع ہوے چنانچہ دیوان نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

,,روزے در باغ بہارآباد چمن آرائے حدیقہ محبت دوستان حیدر یار خان ہنگام عشوہ خیزی نورسنگان کشت زار لالہ آبیری از لالہ کاران چمنستان معانی کہ ہر یک غازہ طراز چہرہ عرائس حسن و یکرنگیہا بودند تمام روز بغزل خوانی و شعر پردازی جلوہ آرائے شاہد عشق و نشاط می بودند ہر یکے موافق استعداد رسائی طبع خود غزل در آوردند این شانہ کش مسلسل کاکل مرغولہ بندان نزاکت آباد معانی دو غزل ببداہت نفس طراز تسطر نمود،،۔

دیوان نے نثر میں ایک اشتیاق نامہ محبوب مجازی کے نام نہایت آب و تاب کے ساتھ زیب قرطاس کیا ہے جو نظم و نثر کا مجموعہ ہے اور ان مکتوبات میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے آخر میں ایک غزل لکھکر معشوق کے ملاحظہ میں پیش کی ہے چنانچہ لکھا ہے :-

''حسب حال غزل تیار کردہ بجناب محبوب مطلوب مرغوب نوشتہ شد و آن اینست،،

یار دل افزائے ما دیدہ بہ میخانہ دوش

از رہ لطف و عطا گفت مرا می بنوش

گفتش اے جان فزا از نگه گرم خویش
چهره جان سوختی نے بدلم صبر و هوش
گفتمش از درد خویش اے صنم بے وفا
جز که به عشق رخت در دل من کرده جوش
دیدنی روے تو محو دل عاشق است
اے ملک جان به لطف بر سخنم دار گوش
وصل تو اے گلبدن کے کند از بخت شاد
بلبل دل خسته را چند بر آرم خروش
غمزه ادا اسنج تو زد بدلم اضطراب
چند کشم از فراق بار غمت را بدوش
دلبرم از عین ناز از مدد فیض حسن
گفت بمن از کرم رو تو بر مے فروش
رفته بر سائیم گفتمش این نقد جان
بر تو نثارش کنم داد بمن می که نوش
یافتم آن فوت جان از مدد بخت خویش
گفتم اے دیوان کنون وصل بت از جان بکوش

کسی نواب آرکاٹ غالباً نواب سعادت علی خان یا علی دوست خان کو یہ غزل روانہ کی تھی، اپنی کسر نفسی و ہیچمدانی کے مد نظر اصلاح کی بھی استدعاء کی ہے :-

''دیروز غزلے تازہ نقش پذیر قلم شکستہ رقم گردید، ارسال گرامی خدمت نمودہ شد البتہ نظر اصلاح خواھد فرمود،،
(انشاء دیوان صفحہ ۲۱)

مطلع :- بدل چون سہر عشق دلفروز گلبدن دارم
ز افعال زیان کاری چه باك از اهرمن دارم

دلم روشن شد از یاد بهار گلعذار او
بسیر گلشن حسنش چه پروائے عدن دارم

به بزم دل ز حال اضطراب جان من یارب
تمنائے وصال گل فروش انجمن دارم

شدم گم گشته هستی ز بیدادی مژگانت
بسا درد پریشانی درین پیر کہن دارم

مقطع : فراق دلبرم درد نفس در سینه ام بسمل
ز تاب بیخودی دیوان چه حال است این که من دارم

"وقت رسیدن رقیمهٔ کریمه مطابق فرموده صاحبے در فکر غزلے بود همون وقت بخاطر فاتر رسید در عریضه ملفوف نمود ابلاغ خدمت تو دد منزلت داشته البته بنظر اصلاح زینت پذیر خواهد فرمود" (انشاء دیوان صفحه ۱۶)

اے دهانت مبدائے عنوان حسن
واے لبت. درج در دوکان حسن

زیب بخش حسن بیت ابرویت
خط سبزت جدول دیوان حسن

قطره خوے رخ گلفام تو
آب حیوان بلبل بستان حسن

منشاء راز نهانی کاکلت
خال رویت نقطه قرآن حسن

تیر مژگان در کمان ابرویت
بہر خونریز دل قربان حسن
یک نگاہ تیز تیغ آهوبت
قاتل ہر سالک میدان حسن
گر شود فضل تو اے سلطان حسن
گفته **دیوان** بود با شان حسن

مندرجه ذیل غزل نواب علی دوست خان ناظم آرکاٹ کو بھیجی گئی تھی جسمیں اظہار عقیدت اور دعا گوئی کا ذکر ہے چنانچه لکھتے ہیں :-

''حق سبحانه تعالی ریاض دولت و اقبال و گلشن ابہت اجلال از قطرات مطرات ازلی و رشحات سحاب لم‌یزلی سر سبز و خندان دارد مطابق ارشاد کرامت بنیاد غزلے تازه ابلاغ گرامی خدمت نموده شد یقین که بنظر انور خواهد گذشت،، ۔ (صفحه ۲۸ انشاء دیوان)

مطلع :- دلم سوزد به هجران تپ نامہربان من
برنگ شعله جوالهٔ باشد استخوان من
دل مجروح تیغ چشم او ما جلوه حسنش
چو نور مه شود ناسور این داغ کتان من
بصحرائے خیالش چون کنم پرواز صیادم
کشد در دام زلف خود شکار مرغ جان من
چو قمری طوق گردن میکنم حبیب قبایم را
بدرد هجر آن رشک بتان سرو چمان من
چنان بر آتش هجر جمال یار میسوزم
که جز بوئے کباب دل نه بیند کس نشان من

شدم محو خیال آن لب میگون گلفامش
چنان باشد فرار از دل که برد از کف عنان من

ز انعام تو یارب ساز مقصود دلم حاصل
ز انوار معانی زیب ده رنگین بیان من

بریزم گوهر معنی ز دریائے دلم یا رب
برنگ ابر نیسان کن ز فیض خود زبان من

مقطع :- چون پر شد (عالم) ز آواز عقیدتہاے من دیوان
مرید حافظ غیب‌اللسان فکر جوان من

مندرجه ذیل غزل بھی حیدر یار خان کے باغ میں دوسرے معاصرین شعراء کے ساتھ فی‌البدیهه لکھی گئی تھی جسکا اشاره ھمنے تفصیل سے اسکے ساتھ کی غزل ع
''دلم کاشانه عشرت بدام جان جان دارد'' میں سطور بالا میں کیا ھے۔

مطلع :- لبریز جلوه گشت رخ گلعذار تو
گلشن بخواں نشست ز چشم ز خمار تو

نرگس بصحن هر چمن از انفعال خود
حیرت پرست گشت ز چشم خمار تو

از عشوه هاے خنده لعل برنگ گل
پژمرده شد دلم بره انتظار تو

مرغ دلم بدام دو زلفت فتاده است
آئینه وار گشته ام خیران و زار تو

دیوان ز بار هجر کمان گشت قامتم
سیماب رنگ گشته دلم ز انتظار تو

این نامه چه نامه است که چون طره خوبان
صد جلوه خوبی ست بهر پیچ و خم او
و این تازه رقم از قلم کیست که بادا
صد جان گرانمایه فدائے قلم او

از چه رو یار دگر عشوه طراز آمدۀ
مایهٔ ناز چرا گرد نیاز آمدۀ
خیر باشد که چنین بنده نواز آمدۀ
مگر از کرده پشیمان شده باز آمدۀ

یه وهی غزل هے جو شکار گاه کلوه کی تفریح کے موقعه پر حیدر علیخان کی محفل میں فی‌البدیهه دیوان نے کهی تهی اسکی سابقه غزل ردیف ب کا همنے سطور بالا میں ذکر کیا هے جسکا مطلع یه هے ۔

''ایکه حسن لایزالت نیست محتاج نقاب''

اسکے ساته کی غزل درج ذیل هے ۔

مطلع :۔ ز دید یک نگاه آن غزال شوخ صحرائی
شکست خاطرم باشد برنگ چرخ مینائی
بسیر غمزهاے جلوه حسن سراپایش
بحیرت گشت چون اینها دل من در تماشائی
ز نادیده رخ آن زینت بخش دلها
دلم چون ماهی هجرت پرست آب دریائی
در آن محفل که گردد یک فروغ روے زیبایش
بدم چون برق باشد رم طراز صبر و دانائی

تصور بے حجابیہاے حسنش چون کنم در دل
شرار جلوه اش دارد دلم در دام سودائی
تجلی بخش بزمم را ز اقدام خود اے ساق
منور ساز دلہا را ز جام باده پیمائی
مقطع :- طپیدنہاے دل دیوان نیارد تاب حسرتہا
خوش آن وقتیکه سی بینم جمالش راز بینائی

یه غزل بھی خوب کہی ھے :-

قمر رخسار جانانے ادا فہمی سخندانے
بقد سرو گلستانے برفتار آب حیوانے
بلب لعل بدخشانے چو طوطی شکر افشانے
بصورت ماه تابانے بمعنی دین و ایمانے
بت غارتگر جانے که دل بردن بود کارش
سہی سرو قد افرازے ہماے اوج پروازے
حریفے شوخ طنازے سمن بوے خوش آوازے
سرا پا مایه نازے گل انداسے غلط بازے
ثمر کان ناوك اندازے کمان ابرو چپ اندازے
پئے صید دل میگشت من گشتم گرفتارش

مخمس :- ناتمام :-

پس تازه و تری چمن آراے کیستی
در ملک حسن سلسله جنبان کیستی
اے سرو خوش خرام ز بستان کیستی
اے کافر فرنگ تو ایمان کیستی

مسدس :- ناتمام : - ایضاً :-

روزکارے هدف تیر بلاے تو شدم
مبتلاے شکن زلف سیاه تو شدم
هم چنان دشمن ناموس براے نو شدم
گردے گشتم و صد بار فداے نو شدم
نو ستمگر نفسی مرهم داغم نشدی
شمع اغیار شدی لاله باغم نشدی

دیوان کی صنایع بدایع میں ۱۶ رباعیات درج هیں جو هدیه قارئین کی جاتی هیں ؎

رباعی

۱ - رباعی :-

چون عزم سفر کرد دل آگاه است
خواهم دو رفیق مونس و دلخواه است
هم سابقه فیض ازل هم سفرت
هم بدرقه لطف ازل همراه است

---

۲ - رباعی :-

اے سرمه اهل دل غبار قدمت
یاقوت بجان و پر نقش قلمت
شد دیده من سفینه همچو کاغذ
در آرزوے خامه مشکین رقمت .

قطعه یا رباعی

۳ ـ محذوف الثاء :-

یا رب بتو چشم بخت روشن بادا
بزم طربت همیشه گلشن بادا
کاشانهٔ دولتت نشیمن بادا
و آن جمله نصیب دیدهٔ من بادا

غالباً نواب آرکاٹ سعادت الله خان کی سفر کی واپسی کے بعد :-

رباعی

۴ ـ محذوف الحاء :-

بختم به مراد خویش دمساز آمد
کان مه ز سفر سوئے وطن باز آمد
بخت چمن از قدوم گل عشرت یافت
برج شرف از مہر سرافراز آمد

---

۵ ـ محذوف الجیم :-

آنروز که بودم نفسے دم سازت
در حیرت آنم که به بینم بازت
زارم ز پئے نظارهٔ رخسارت
مردم ز غم شنیدن آوازت

---

۶ ـ محذوف الذال :ـ

اے یافته سروری بر افراد بشر
از بهر وجود تست ایجاد بشر
کافی ست همین ترا که از روے نسب
هستی خلف سید اولاد بشر

۷ ـ محذوف السین :ـ

تا یافته در مشام جان بوے وصال
شد عمر تمام در رنگ و بوے وصال
از زهر فراق تلخ کامیم ولے
داریم امید نوش داروے وصال

۸ ـ محذوف الصاد :ـ

اے نور چشم من غبار قدمت
آمد سوے من نامه مشکین رقمت
شد بر دل من موجب تسکین غمت
هر حرف وفا که نقش بست قلمت

رباعی

۹ ـ محذوف الغین :ـ

اے آنکه بره خاك درت تاج سر است
گردی از ره تو توتیاے بصر است
جز تو حمایت بشر چون به کند
که این قاعده میراث خیرالبشر است

۱۰ ـ محذوف الفاء :-

خوش آنکه بکوے تو گذر میکردم
وز خاك درت کحل بصر میکردم
چون نامه گر سوے توی بردم پے
مانند قلم پاے ز سر میکردم

---

۱۱ ـ محذوف القاف :-

تا از شرف وصل تو ماندم محروم
در دست غمت سوختم ارباب سموم
دردا که پریشانی جمعیت ما
از سیر سیاره بود تا سیر نجوم

---

۱۲ ـ محذوف اللام :-

اے خود چه مے حیات از جام آید
موقوف بحکم نو سرانجام آید
هر شام تو شام قدر نا روز جزاء
هر روز تو روز عید تا شام آید

---

۱۳ ـ محذوف المیم :-

یارب که حسودت از جهان فانی باد
کلک هنرت بگوهر افشانی باد
تا نرخ گهر از خطت ارزان گردد
توقیع صدارت بتو ارزانی باد

---

۱۴ - محذوف النون :-

بودیم بکوے همدمی جا کرده
در درس وفاق رشد پیدا کرده
افسوس ز یکدیگر جدا افتادیم
چون هر ورق از کتاب اجزاء کرده

---

۱۵ - محذوف النون :-

بخوابم آمدی نشسته قد افراختی رفتی
گرفتی و بے برداشتی برخاستی رفتی
بنازم رخ نما گشتی و شیدا ساختی رفتی
زدی بر دل شکستی سوختی انداختی رفتی

---

۱۶ -

من و پیچاك آن زلف بت و بیداری شبها
چنان چند کے کش میخلد در سینه عقرب
چو رشک خویش غلطم درجان خاك وخون شبها
زر اشک آنکه بینم جام مے را لب برآن لبها

فردیات :

تعریف سخن :-

سخن دریست از درج دهان سنجیده بیرون کن
که از هر سو خریدارش به استقبال می آید

مغرور شاه :-

ز چشمت چشم اندازم که از چشمم نیندازد
بچشمانت که چشمانم به چشمان تو میسازد

محذوف الحاء :- فرد :-

ز شرح شوقم آتش در پر روح الامین افتد
اگر غمنامهٔ هجر تو بربندم ببال او

محذوف الدال :- ایضا :-

چو آفتاب زبانهاے آتشین خواهم
که الامان زنم از تیغ بے زبان فراق

محذوف الواء :-

بسکه باشم اسیر دام وفاق
طاقتم طاق شد ز بار فراق

آمد آشفته بخوابم شبے آن مایهٔ ناز
بروش مهر فزائی و بنگه مهر گداز

اے نور چشم من سخنے هست گوش کن
چون ساغرے بدست بنوشان و نوش کن

توبه کردی گر از صحبت اغیار بیار
جلوه گر عشوه کنان عربده سرشار

حدیث عشق شنیدم که پیر کنعان گفت
فراق یار نه آن میکند که نتوان گفت

خواب را خواب مرده است مگر
که ندارد بچشم من گذرے

چشم دل چو باز شد معشوق را در خویش دید
عین دریا گشته چون بیدار شد چشم حیات

آنها که داغ عشق ندارند و سوز یار
در روز حشر نعره واحسرتا زنند

نظم در توشیح :-

محبت گسترا پاینده باشی
چو خورشید از کرم تابنده باشی
حدیث شوق تو از حد فزون است
زقیه جامه و تبیان برون است
مؤدت نامه بهجت علامه
رسید از تو درین فرخ زمانه
دلم از دیدن رنگین بیانش
معطر گشت از عنبر فشانش
عجائب نامه کر طرز دل آرد
بیک دیدن کند تسخیر دلها

لزوم دوستی ارقام کرده
دل خلت پرستان رام کرده

یراغ نادرت شکر فشان کرد
لب خوانندہ را رطب اللسان کرد

صفائی بیاض عرصه او
بخونی اشک رخسار پریرو

اساطیرے درو باشد مدلل
چو دام دیده زلف مسلسل

صداقت پیشگان را کرد مسرور
خطش در روے که از رسم دوئی دور

باین الفت سر وحشت رمیده
بوقت عشرت اندیش رسیده

گراز هر بیت یک حرف دو خود بچینی
درو اسم شریف خود به بینی

چو گفت از چارده ابیات اتمام
ز نامت کردم این راحتم ارقام

همیشه تا که باشد مرغ و ماهی
سزت نا شد ز هر مقصد مباهی

دیوان :۔فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے انکے کلام میں حافظ شیرازی و ناصر علی سرهندی وغیرہ کی سی شیرینی و نازکخیالی موجود ہے چند اشعار بطور موازنہ درج ذیل ہیں :۔

حافظ :-

اے فروغ ماہ حسن از روے رخشان شما
آبروئے خوبی از چاہ زنخدان شما

دیوان :-

اے گداز دل نگاہ برق رخشان شما
مرغ جان را دیدۂ دامِ است چشمان شما

حافظ :-

المنة لله که در میکده باز است
زان رو که بر در او روے نیاز است

دیوان :-

از بسکه قد سرو ترا غمزه و ناز است
قمری صفت عالم همه در طوق نیاز است

حافظ :-

بار دل مجنون و خم طرۂ لیلی است
رخسارۂ محمود و کف پاے ایاز است

دیوان :-

کے رم کند از دام سیه زلف تو دیوان
چون خاطر محمود که در زلف ایاز است

حافظ :-

چو دام طره افشاند ز گرد خاطر عاشق
بغماز صبا گوید که راز من نهان دارد

دیوان :-

مپرس از خاطر حیرت پرستم بسکه بیتاب است
خیال جلوهٔ حسنش بدرد خود نهان دارد

حافظ :-

اے کہ با سلسلهٔ زلف دراز آمدهٔ
فرصتت باد کہ دیوانه نواز آمدهٔ

دیوان :-

خیر باشد کہ چنیں بنده نواز آمدهٔ
مگر از کرده پشیمان شده باز آمدهٔ

کمال خجند :-

این چه منزل چه بهشت این چه مقام است اینجا
عیش باقی، لب ساقی، مے و جام است اینجا

دیوان :-

بهار نشه بخش صبحدم موج شراب اینجا
برنگ جام میگردد ایاغ ماهتاب اینجا

جامی :-

گفتی، بگوی عاشق و بیمار کیستی
من عاشق تو ام تو بگو یار کیستی

بابا فغانی :-

بس تازه و تری چمن آرائے کیستی
نخل امید و شاخ تمنائے کیستی

ناصر علی سرهندی :-

اے ماهتاب عارض تابان کیستی
اے لاله برگ چهرهٔ جانان کیستی

دیوان :-

اے سرو خوش خرام ز بستان کیستی
اے کافر فرنگ تو ایمان کیستی

دیوان کی فارسی نثر فصیح و بلیغ اور مرصع ہے ہندستان کے مشہور انشا پردازوں مین انکا شمار کیا جا سکتا ہے موسوی خان جرأت اور اور امین اسرائیلی معاصر بیدل انکے همعصر تھے -

بعض صنایع بدایع اور جولانئی طبع نثر میں انکے کمال فن پر دلالت کرتی ہے - جن میں هندی دوهروں کی چاشنی بھی موجود ہے - هم نمونةً یهاں چند اقتباسات درج کرتے هیں :-

آنچه که نوک ریز قلم الطاف رقم شسته که جواب رقعه را اصلاح فرمایند ؎

چه یارا کیانرا که از روے دانش
نصحیت بخورشید انور نویسد

''این جرعه کش ساغر صاف نوشان خمخانه معانی و این ابجد آموز دبستان شناسان نکته دانی را چه یارا که بمعارضت شیوهٔ گستاخی باصلاح پردازد، بلکه بمطالعه سامی ملاطفه کنزالمعاطفه که هر سطرش چون زلف مسلسل محبوبان قمر رخسار را دل شیفتگان میدان سخندانی را

بفنون دلربائی و سحر سازی مفتون میگرداند و هر حرفش مانند شب چراغ گوهر سراپا انوار بضیاے بروق اوراق معنی طرازی شبستان خاطر تیره دلان را روشن میسازد، استفاده اندوز معنی آفرینها گردیده بترنم جان درانت بیت میسر آید ؎

کتابخانه عالم ورق ورق جستم،
خط تو دیدم و گفتم که مدعا اینجا ست

دھره :- اوه صورت بسرت ناھیں جب تک تن میں پران
بھونت پریت مجه ملن کے سبو مرشجان

''خالق دفاتر ابجاد نشه انسانی و مفیض صورت مادۂ هیولانی شاهد حال است که در برابر عبارت رنگینش هرچه گوید چون نسبت سها پیش مهتاب و در مقابله الفاظ نمکیش هرچه نویسد چون شب پره در جنب آفتاب باشد لاچار اشهب خامه ازین وادی منعطف ساخته بدعا اختصار نمود تا دایرۂ فلک اعلی پیرامون کره ثری دائریست ذات ملکی صفات آن مطلع کواکب کمال و اقبال از مشرق عاطفت افضال ساطع ولامع باد،،۔

بعض تاریخی واقعات : **پہلا واقعه :-(۱)** ۔نواب سعادت الله خان نے اپنی برادرزاده نواب علی دوست خان ابن غلام علی خان جاگیردار ویلور کو حکم دیا تھا که وه نواب نظام الملک آصفجاه اول (۱۱۶۱ھ) کی فوج یں شریک هوجائیں یعنی کمک پہنچائیں ۔ اس مصروفیت کی وجه سے یوان نواب صاحب کی خدمت مین آرکاٹ حاضر هونے سے قاصر رہے۔

(۳) **دوسرا واقعہ:-** شیخ محمد امین (غالباً اسرائیلی؟ دبیر دارالانشاء) اور مخدوم خان سردار سے قلعہ ویلور میں جھگڑا ہوگیا تھا، جسکی مفصل کیفیت، دیوان نے حسب ایماء نواب صاحب کو لکھی - اور یہ لکھا کہ محمد امین کی جوش جوانی اور مخدوم خان کی غصہ پسنہ طبیعت کیوجہ سے یہ فساد برپا ہوا تھا، تاہم غالباً قلعدار ویلور باقر علی خان نے اس فتنہ کو ایک حد تک فرو کردیا ہے، مفصل کیفیت متعاقب گزرانی جاتی ہے -

البتہ تیسرا اہم واقعہ (۳) — جنوبی ہند کے مشہور قلعے پونکنور اور کرنپات کے راجہ کے مظالم، میر رضا علی خان کی شہادت، راجہ کی فراری، اور تسخیر قلعہ کرنپات کے متعلق دیوان نے صحیح واقعات لکھے تھے جو یہ ہیں -:

کوایف ظہور پونکنور مطابق نوشتہ کلک عنبر سلک کوایف مقدمہ پونکنور می نگارد کہ کافر جہنم مسکن بقصد توطّن در قلعہ پونکنور کہ حصن حصین و ملجاے کفرہ فجرہ واقع شدہ درکمال وسعت و سعویت در سایر قلعجات بے مثل و عدیل بود، عمارات عالی ساختہ آن کافر نکوہید، سیر گلشن خاطر را از مہیب نسیم کامیابی سر سبز کردہ بکمال لہو و لعب و مزید عیش و عشرت بفراغبالی و بیباکی نشستہ دست تطاول بمال و ناموس باشندہ ہاے اقصاے آن ضلع دراز کردہ بود ازانجا کہ مست بادہ تمرّدی و بیخود از جام بیخودی بود بنا بر معارضت ادنیٰ قصہ از غایت استیلاے قوت مال و غرور گل گزار سیادت

و صفا و شمع شبستان انجمن کاتب وفا میر محمد رضا که
درین عالم یگانه عصر و ز آئین مردی و مردانگی کامل
عیار بود شهید نمود شرحش اینکه آن کافر شقاوت اثر
چند هزار پیاده اعتباری جهت تسخیر قلعه کرنپات فرستاد
دو سه روز هنگامه حرب تیر و تفنگ برپا بود، اقلی از
طرفین بکار آمد و اکثر بجراحت تفنگ و سنان و بلم
مجروح گردانید، میر مسطور اگرچه درکار جوانمردی و
جانبازی کوتاهی نکرده لیکن بسبب عوارض بے سرانجامی
و عدم رسیدن کمک خیلے عاجز آمده لاعلاج از
پاس ابرو بنا بر پیشدستی کشان معاند مقهور خود معه
پسر شمشیر جواهر دار و خونریز و خونخوار برنگ گلبرگ
در دست گرفته خود را در میدان محاربه انداخته بکوته
عراقی پیوسته داد شجاعت و مردانگی داد اما یک با هزار
چه توان کرد، پیاده‌هاے کافر مسطور از سنان و تفنگ
عرصهٔ حیات برو تنگ نمود پسرش بکار آمد میر مذکور
را سخت مجروح ساخته زنده بقید آورده پیش نا سردار کلفت
آثار بردند بیت فراوان بر تن آن شیر نر زد......سنان و بلم
و تیر و تبر زد، کافر مردود آن زخم خورده سیف حلول المرا
چند زخمها بزخمهاے تازه زده بقتل رسانیده ، بسرپنجه
غرور و مستی چند هزار پیاده براے تسخیر کرنپات فرستاده
خواست که در تصرّف خود بیاورد، در این اثنا از واقعه
این قضیه خوانین بلند مکان، چنانچه صفدر علی خان
و حسین دوست خان و صفدر حسین خان، و دیگر صاحبان

ظفر پناه آتش افروز شعله سر جوش خرمن خشم و غضب شده، لشکر دریا موج و ستاره فوج را همراه گرفته با کمانداران دل دوز و تیر اندازان ظفراندوز و جوان عدوبند و بهادران فروزمند که باے فرار بجادهٔ انقیاد استوار داشته چنانچه ابیات ــه

گروهے همه پردل و پهلوان
مخالف شکار و ممالک ستان
توانا و تن و زورمند و دلیر
بهیکل چو پیل و به نیرو چو شیر
دلیران نامی پرخاش کیش
بجولان در آورد اسپان خویش
بر افواج دشمن چنان تاختند
که یکبار طوفان اندوختند

در هنگامیکه غبار انگیز سحاب بمرتبه آبریز گردید که مرغ و ماهی از آب و دانه باز مانده و سیه نقاب ابر بر عالم امکان بحدی پیچپده که امتیاز روز و شب از میان برخاسته، بتعجیل رفته بسرجنگ محاصره در اندک فرصتے آن صلح کافر بچه را منجم سرادقات فتح ظفر و منزل و آرام و مقر سپاه نصرت اثر نمود خواسته بودند که آن بیحیاے شقاوت پیرا را لقمه شمشیر خون‌ریز ساخته تمام ملک پونکنور را تاراج نموده بدستیاری تیغ آبدار دستان آتشبار بفضل واهب‌العطایا که دعوت پذیر تضرّع کنان حاجتمندان است باد نخوت و غرور از دماغ کافر خاکسار بیرون آورده لواے دین احمدی، و کوس شرع محمدی

سرفراز و بلند آوازه سازند چند روز همین تردد و تلاش هنگامه محاربه بود چنانچه حراست خان، و قادرحسین خان و طاهر خان، وغیره، عمده کسان با عساکر نصرت اثر از هر طرف جمع شدند و اسباب قلعه کشائی و لوازم معرکه آرائی الزام مخالفت کلفت انتما آوازه لشکر قیامت اثر شنیده عظیم پر خطر و بسیار پر حذر کشنه خود بخود عاجز و مغلوب آمده مانند کونه حوصله تنگ ظرف شیشه ناموس و ننگ را بر سنگ بیحیائی زده و صهبائے آبرو بر خاک بیعزتی ریخته و هزیمت را غنیمت شمرده شباشب رو بفرار نهاده، چون آفتاب عالمتاب سر از افق صبح برداشته چهرهٔ جهانیان را روشن نمود، خوانین فتح آثار از تجمل بسیار با یاران همدم و دلدار در زبان خوشتر از صبح نوروز جوانی و فرح‌افزا تر از سعید شادمانی داخل قلعه مذکور شده، همه مال و مالیت و اجناس آن کافر کلفت اثر شقاوت متمرّد را در راه خدا تصرّف کرد از فضل کارساز بنده نواز بخیریت که و مه مراجعت دارالسرور شادمانی شدند، چون این فتح ارجمند بفضل خداوند عز و شانه دست داد ایزد جل و علا برهمه یاران و دوستان مبارک و همایون ساخته همیشه فتح و نصرت نصیب ایشان گرداناد بحق محمد و آله الامجاد ـ

ملخص ترجمه

حسب ایماء جناب، پونکنور کے واقعات یه هیں، که کافر "جهنم نصیب،، قلعه پونکنور جو ایک نهایت مضبوط

اور مستحکم قلعه هے، اور بیدینوں اور کافروں کا ملجا
اور جاےپناہ بنگیا ہے ۔ اپنی وسعت اور مضبوطی کے
لحاظ سے تمام قلعوں میں بےمثل اور بینظیر تھا اوس میں
عالیشان عمارتیں بنوآئیں، اور کامیابی اور کامرانی حاصل
کر کے نہایت فارغ البالی کیساتھ عیش و عشرت میں
مشغول ہوگیا، اور نہایت بیباکی سے اس ضلع کے رعایا،
کی جان و مال و عزت کو پامال کر رہا تھا، کیونکہ
اسکا غرور اور تمرّد سر سے اونچا ہوگیا تھا ایک معمولی
بات میں اعتراض کیوجہ سے، اپنی دولت و قوت کے
گھمنڈ مین سیدالسادات، میر محمد رضا کو، جو یکتاے
زمانہ اور اپنی فن سپہگری و بہادری مین جواب
نہ رکھتے تھے، شہید کر دیا، اسکی تفصیل یہ ہے
کہ اس سنگدل کافر نے اپنی چند ہزار پیدل سپاہیوں
کو قلعہ کرنپات کی تسخیر کے لئے بھیجا، دو تین
روز تک خوب جنگ ہوتی رہی، فریقین میں سے کچھ ۸
لوگ کام آئے اور اکثر تیر و بلم اور بندوق کی ضربات سے
زخمی ہوئے ۔ میر صاحب مذکور نے اگرچہ اپنی بہادری
کے جوہر دکھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی، لیکن
بے سر و سامانی اور وقت پر کمک نہ پہنچنے کی وجہ سے ۲
بہت مجبور ہوگئے ناچار اپنی عزت و ناموس کی خاطر ۵
دشمن کی زیادتی اور پیشدستی کیوجہ سے خود معہ اپنے
صاحبزادہ کے، تلوار آبدار میان سے کھینچکر، میدان میں
کود پڑے، اور اپنے عراق گھوڑے پر سوار ہوکر ۲

بہادری کے جوہر دکھائے لیکن ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں ایک شخص تن تنہا کیا کر سکتا تھا ۔ اس کافر کے پیادوں نے نیزہ بازی اور بندوق کی گولیوں کی بوچھاڑ کردی ، اور سخت مجبور کر دیا ، نتیجہ یہ ہوا کہ انکا لڑکا تو کام آگیا ۔ مگر میر صاحب کو سخت زخمی کر کے زندہ قید کر لیا گیا ، اور اس کافر راجہ کے پاس لیگئے میر صاحب جیسے شیر نر کا جسم برچھیوں اور بلم و تیر و تبر کے زخموں سے چھلنی تھا اسپر بھی اس کافر مردود نے اور تازہ زخم لگائے اور آپکو شہید کردیا ۔ اور قلعہ کرنپات کی تسخیر کے لئے کئی ہزار پیدل سپاھی روانہ کئے تا کہ اسپر بھی اسکا قبضہ ہوجائے اس عرصہ میں اس واقعہ کی نواب صفدر علی خان و حسین دوست خان (چندا صاحب) اور صفدر حسین خان نیز دوسرے سرداروں کو اطلاع ھوئی اور وہ بڑے غصہ اور جوش میں ایک بڑی فوج لیکرجو بڑے بہادر فاتح جنگجو کمانداروں اور تیراندازوں پر مشتمل تذی فوراً پہنچے اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اسپر غالب آگئے، اور چاھتے تھے کہ اس کافر کے دو ٹکڑے کردیں اور تمام ملک پونکنور کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اور مظلوموں کی غصہ کی پیاس بجھے، اور اس ظالم کے غرور و تکبر کو توڑ دیں اور اسلام کا جھنڈا بلند کریں، غرض چند روز تک خوب ھنگامہ آرائی رھی، چنانچہ حراست خان، قادر حسین خان اور طاھر خان وغیرہ بہترین سپہ سالار ہر طرف سے جمع ھوگئے

اور قلعه کا دروازه کھولنے اور جنگ کی فکر میں تھے
که اوس کافر بےحیا نے خود بخود هیبت اور خوف سے
گھبرا کر اس موقعه کو غنیمت جانا اور رات هی کو
قلعه سے فرار هو گیا، اور صبح کو جب آفتاب طلوع هوا
تو همارے سب سردار نہایت شان و شوکت کیساتھ
قلعه میں داخل هو گئے اور اسکے تمام مال و متاع
اور رسد پر قبضه کر لیا اور اس مال غنیمت کو الله کی
راه میں لٹا کر خیر و عافیت کیساتھ سب چھوٹے بڑے
هنسی خوشی دارالسرور (ویلور؟) لوٹ آئے۔ چونکه یه
فتح الله کے فضل و کرم سے حاصل هوئی هے۔ اسلئے
تمام دوست و احباب کے لئے قابل مبارک باد هے۔
دعا هے که آینده بھی ایسی فتح و کامرانی نصیب هو

بحق محمد و آله الامجاد۔

فصل دویم رقعات مصنوعه :۔اس صنعت میں تو دیوان نے
قلم توڑ دیا هے :۔

''چشمه لزوم چشم :۔ سیهچشمان شوخی چشمت اشاره
ادائے غمزه چشم درچشم هم چشمان چشم براه برنگ
چشم نرگس صد چشم حسرت کشاده و از گردش چشم
ادا سنج مانند چشم سجنجل سرچشم چشمک زدگان سراپا
چشم، هزار چشمه حیرت نهاده، زهے شوخ چشمے که
از عزت چشم سرمه ناکس سرمه چشم نرگس سحری
چشمه ساز مسیحائیست، وجهی جادو نگهی ؟ که بیک

گردش چشم مست بے باکش چشم روشن چشمان افلاک
چشم زار بیتابی است، بدیدۂ چشم که آئینه چشم چشم
بازان والا دید است، قسم که تا چشم از تماشائے چشم کرشمه
طرازت چون آئینه حیرانیهاست چشم دل از چشمه سیلاب
چشم اشکریزیستان چشم طوفان دید محو سرگردانیهاست،
بهر حال ازان مردمک چشم انسانیت و چشم مردم
آدمیت چشم آن دارد، که اگر از گوشه چشم کرم
یک نظر برچشم این چشمک دیده، سیه چشمها چار چشم
شوند دو چار شواهد چشم داشت توانندشد بیت ؎

ز چشمت چشم اندازم که از چشمم نیندازد
بچشمانت که چشمانم به چشمان تو میسازد

آفرینندۂ چشم و تو ز چشم آن چشم نور مردم و نور چشم
عالم را از چشم زخم حوادث اوان محروس داشته
به چشم خوبها ملحوظ دارد،، -

اسیطرح حسب ذیل مکتوبات صنایع و بدایع پر مشتمل
هیں - مثلاً :-

(۱) خط لزوم دوستی، گویا سب الفاظ دوست سے مشتق
هیں -

(۲) تحریر مسودۂ نظم و نثر که چون دو حرف از فقرۂ اولیٰ
بفقرۂ ثانی ضم کرده شود نظم درست گردد،

(۳) بے نقط :— چهه سطر،

(۴) مصرعه تزئین یک نقطه نقطه بالا یک نقطه نقطه پائین،

تسوید رقعه توشیح که چون حروفے بسرخی خوانده شود

ناد علی بحصول پیوندد (۶ سطر) ۔

کتابت لازم الالف، ۸ سطر۔

تحریر مکتوب واسع شفتین، ۸ سطر۔

صرح مرصوص صراحی، ۱۴ سطر۔

در محذوفات متنوعه محذوف الالف، ۷ سطر۔

محذوف الباء، محذوف التاء، محذوف الثاء، محذوف الجیم وغیرہ

محذوف الیاء تک موجود ہیں، ہم نے اس قسم کی رباعیات

بغرض ضیافت طبع کلام کے ساتھ درج کر دی ہیں،

سب سے آخر میں ہم یہاں آپکی نثر نگاری کے ایک شاہکار کا کچھ

قتباس درج ذیل کرتے ہیں، جس سے واضح ہوگا کہ گویا ظہوری

گل افشانی کر رہا ہے :—

شبے که از همه شبها چون فروغ اختر ماه برنگ دیباچه

صبح صادق پرتو انداز عالم امکان مینمود، و نقاب مشکین

شب چون طرۂ زلف مسلسل مهوشان دلاویز و پریرویان

ستم کیش بر خود پیچیده، گویا شب قدرے بود که مشاطه

افلاکیان عظام بر سپهر مینا فام چهرۂ انور نوعروسان

کواکب انجم نواقب راز را نور محبوب برحق آراسته

جلوه افروز چار حد کائینات مینموده بودند، ـــه

شب نبود انجم کزین فیروزه گون منظر نمود

دست قدرت بیضها از ریز خاکستر نمود

شب که بود انجم نمایان بر سپهر لاجورد
در نظر آن نوجه خاکسترا اخگر نمود

نے غلط گفتم که در بازار شب یا مشتری
تا کند سودا سپهر جوهری گوهر نمود

این مدهوش بادۂ غفلت سراپا بیهوش بادبان زورق بیداری را بگرداب خواب غفلت پے هشیاری انداخته قرابه کش صهباے مستی شده بود ناگاه از کمال عروج بیداری بخت مسعود از طلوع کوکب نیّر مقصود جوانے پریروے که دیدۂ خورشید جهان ناب از مشاهدۂ دیدار انوار جمال تجلی رازش چون چشم شپره تاریکتر از زلف محبوبان غازه طراز است الخ

نوابان آرکاٹ کی اردو نوازی

آرکاٹ (مدراس) کے نوابون اور امراء نے بھی سلاطین دکن کی طرح زبان اردو کی نه صرف بڑی قدر کی بلکه انکی دکھنی تصانیف اور دوادین بھی موجود ھیں ۔ یون نو کڑپه اور کرنول (علاقه مدراس) میں اوایل بارھوس صدی هجری میں بزمانه آصفجاه اول (۱۱۶۱ھ) و ولی (۱) ویلوری وجدی کرنولی (۲) شاه میر و شاہ کمال (۳) بہت مشہور تھے، مگر نوابان آرکاٹ نے بھی اردو کی بڑی سرپرستی کی ھے، ان میں اولیت کا سہرا آپکو، تعجب ہوگا ، نواب سعادت الله خان بہادر متوفی

---

(۱) ولی ویلوری مصنف ده مجلس ۱۱۳۷ھ معاصر نواب حراست خان

(۲) وجدی کرنولی مترجم منطق‌الطیر از عطارؒ الموسوم به پنچھی باچھا (اردوئے قدیم شمس الله قادری مطبوعه) -

(۳) جسونت راؤ منشی مصنف گلدسته عشق قصه لعل و هیرا دکھنی (سعید نامه مخطوطه آصفیه) -

(۱۱۳۶ھ) کے سر ہے ۔ نواب صاحب مرحوم نہ صرف قدیم مصنفین اردو کا کلام شوق سے پڑھتے تھے بلکہ مرثیے بھی کہا کرتے تھے اور آپ ھی کے ایماء سے مثنوی سیف‌الملوک و بدیع‌الجمال مصنفہ غواصی گولکنڈوی کا ترجمہ فارسی میں جسونت رائے منشی(۱) نے کیا نیز آپ ھی کے حکم سے منشی نے مثنوی گلشن عشق مصنفہ ملک الشعراء نصرتی کی جواب میں ایک مثنوی لعل و ھیرا الموسوم بہ گلدستہ عشق دکھنی اردو میں کہی، اور افضل خان(۲) لذتی دھلوی، (نوائط) نے مثنوی چندربدن مہیار (دکھنی) کا ترجمہ فارسی میں کیا، عبداللہ ذاکر بیجاپوری نواب صاحب کے خاص مصاحب تھے، جن سے نواب صاحب دکھنی غزلیں بڑے شوق سے سنا کرتے تھے، ایک اور شاعر حافظ محمد کمال(۳) ابن محمد مہدوی تھے، جنکی ایک نایاب بیاض ارگجہ چھ سو صفحات پر مشتمل ہے عبداللہ ذاکر نے اس کی تعریف میں بتیس بیت کا ایک قصیدہ لکھا تھا، منشی نے نواب صاحب مذکور کو دو دکھنی غزلیں سنائی تھیں جنکے مطلع و مقطع یہ ھیں :۔

مطلع منشی

چاند شرماں نے گیا گل کو تیرے رو کے اگل
خون ھوا نافہ کا دل نکہت گیسو کے اگل

مقطع

کیا ہے منشی جو کہتے سحر اچھے کیا وو طلسم
ہے فسون کیا وو تری طبع سخنور کے اگل

---

(۴) افضل خان لذتی دھلری معاصر نواب سعادت اللہ خان ، (گلدستہ کرناٹک قلمی کتبخانہ ابو محمد عمر یافعی حیدر آباد) ۔

(۵) حافظ محمد کمال ، مؤلف ارگجہ ، (رسالہ معارف نومبر ۱۹۳۹ء) ۔

(۶) شاہ میر سید محمد حسینی (رائے چوٹوی (نوائے ادب بمبئی سنہ ۵۳) شاہ کمال برادر شاہ میر ۔ رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۹ء ۔

غزل دیگر مطلع

نین وو مکھ جو پڑیا زلف کے بالان تے نکل
گل پڑیا باغ منے سنبل و ریحان تے نکل
ھے یو سب بات غلط بل کہ لوبھانے کون دلان
ناگہان چاند پر یا بھار ابھالان تے نکل
منشی یو شعرا ھے یا ھین اچھر سحر کے یو
یا کے موتیان ھین پرے چشمہ حیوان تے نکل

غرض پانچ چھ سال تک یہ صحبت جاری رھی ، ممکن ھے کہ نواب صاحب ممدوح کا آخری زمانہ ھو۔

چونکہ دیوان نے بھی زیادہ تر سعادت اللہ خان کا زمانہ پایا ھے اور اپنی یہ انشاء ۱۱۳۶ھ میں مرتب کی ھے جو سابقہ واقعات کی تصویر ھے، بہر حال نہ صرف دیوان فارسی اور اردو دونوں کہا کرتے تھے، بلکہ آپکے ھمعصر شعراء فارسی بھی، اس میں حصہ لیتے تھے، اور دن دن بھر مجلس مشاعرہ گرم رھا کرتی تھی، چنانچہ دیوان اپنے ایک مکتوب میں اسطرح رقم‌طراز ھیں :۔

آمد سخن دکھنی وقتے در قصبہ ایلور یاران دوستی نشان در کلبہ ابجد آموز دبستان ارباب نکتہ پردازی گرم کن طرب ایجاد ھنگامہ ھم بزمی بود، اتفاقاً بر زبان معنی ترجمان این مصرعہ دکھنی گذشت، مصرعہ

”جو کچھ کئیے سو خوب کیے تم بھلا کیے،،

چنانچہ مصرعہ مسطورہ ھر کسے را پسند خاطر افتاد، ھمہ‌ھا در فکر مخمس این مصرعہ شدند، چون باعث بمن حرف

خوان نسخه نیاز گشته بودند، همون وقت بدیهه نوک
ریز قلم شکسته رقم گردید جسکو هم انکے مراثی کے
کے ساتھ سطور مابعد میں نقل کرینگے، دیوان کے
اس بیان سے پته چلتا ہے، که اسکے معاصرین میں
اور بھی بہت سے دکھنی شعراء موجود تھے -

آپ کا اهم کارنامه اردو و هندی

منشی دیوان کا ایک اهم کارنامه انتخاب خمریات ولی دکھنی (بابائے ریخته) کی تدوین ہے اورآٹھ (۸) صفحات پر مشتمل ہے جو اغلب ہے که ولی کی وفات سے پچیس تیس سال بعد کیا گیا - جو ولی کے کلام کا سب سے پہلا انتخاب ہے - انکا دوسرا اهم کارنامه هندی زبان سے متعلق ''کلید سندر سنگھار'' یعنی ایک مشہور کتاب سندر سنگھار، مہا کوی سندر معاصر شاهجہان کی فارسی شرح ہے -

شاعری کے متعلق رائے :- دیوان فارسی کے بلند پایه شاعر تھے، اردو کا کوئی معتدبه کلام دستیاب نہیں هوا، جسکے منجمله همارے پاس اسوقت دیوان کے پانچ مرثیے، ایک مخمس اسی انشائے دیوان میں موجود هیں، کوئی غزل همدست نہیں هوئی، اور نه کسی تذکره میں اسکا ذکر ہے که دیوان اردو میں بھی کہا کرتے تھے اور نه کسی دیوان کا حواله دیا گیا ہے، هاشمی صاحب مؤلف ''مدراس میں اردو،، نے بھی انکو بحیثیت مرثیه گو روشناس کرایا ہے - مگر مرثیوں کی تعداد درج نہیں ہے -

مخمس کے پڑھنے سے یه معلوم هوتا ہے که دیوان کی اردو قدیم دکھنی ہے طبیعت میں جولانی، جدت، اور کلام میں روانی پائی

جاتی ہے - شان تغزل بھی ہے - مگر لاله جسونت راے منشی کے دکھنی سے بہت صاف ہے - مگر به نسبت منشی کے کلام پست ہے -مرثیه گوئی میں بھی دیوان نے قدیم دکھنی شعراء کی تتبع کی ہے، انکے پانچ مرثیے ہیں، جنمیں ایک سلام شامل ہے، جسکا رنگ شاه کمال گرم کندوی المتوفی سنه ۱۲۲۳ھ کا ہے، جو زیاده‌تر منقبت ہے - الفاظ پر شکوه ہیں - اپنی مرثیه گوئی کی وجه تسمیه دیوان نے یه بیان کی ہے، که سنه ۱۱۲۸ھ میں قلعه ویلور میں علم مبارك کی سواری نکلنے والی تھی، عاشور خانه نہایت درجه آراسته و پیراسته کیا گیا تھا، ہزارہا رنگ برنگ کے فانوس آویزان تھے عاشور خانه بقعۂ نور بنا ہوا تھا میں بھی احباب کیساتھ زیارت کیلئے وہاں گیا، مرثیه خوانی ہو رہی تھی، مرثیه جانسوز کے سننے سے بہت متاثر ہوا، اور چند مرثیے بغرض ایصال ثواب لکھے چنانچه فرماتے ہیں :-

''از غایت بیتابی محض بارادۂ تحصیل ثواب مرثیه چند متضمن منقبت آنجناب تسطرمآب؟ قلم من درد پروردۂ پردۂ سیماب گشت از تفضلات حضرات عالیات امیدوار زیور حسن قبول است آمین،،

اسکے سوا دیوان کا ایک مدحیه قصیده، دکھنی میں لکھا تھا، جسکا ذکر ایتھے نے اپنی مرتبه ضمیمه فہرست مخطوطات فارسی کے صفحه ۲۳۲ پر کیا ہے، یه فہرست صرف ایک انڈکس ہے توضیحی فہرست نہیں ہے، اسلئے قصیده کا نمونه یا نام جسکی مدح میں کہا گیا تھا درج نہیں ہے - البته انکا نام و تخلص و سنه کتابت درج ہے مگر اسکے عنوان سے یه واضح ہے که دیوان نے اس قصیده لکھنے کی وجه بھی

ظاهر کی ہے ایتھے کا اردو عنوان یہ ہے ''سبب قصیدۂ دکھنی'' نام مصنف وکتابت انگریزی میں یہ لکھی ہے ''مصنفه زین العابدین برادر'' ''دیوان (تقریباً سنه ۱۱۵۰ھ)۔ ۱۷۰۰ ب ۳٦''۔ سنه کتابت سے یہ مترشح ہوتا ہے که دیوان نے یہ قصیدہ بہت ممکن ہے که نواب سعادت اللہ خان کی مدح میں لکھا ہو، اگر یہ صحیح نہیں ہے تو نواب علی دوست خان کی مدح میں لکھا ہوگا جو اسی زمانہ میں فرمانروائے آرکاٹ تھے۔

دیوانؔ کا اردو کلام هدیهٔ ناظرین ہے جو نایاب ہے اور سوائے چند مرثیوں کے نہیں ملتا اور یہ ترتیب انشائے دیوان سنه ۱۱۴٦ھ سے قبل کا یعنی آج سے سوا دو سو سال قبل کا ہے مخمس جسکے (۱۲ بند) ہیں یہ ہے جو دوسرے معاصر شعراء آرکاٹ کی محفل میں فی البدیهه کہا گیا تھا گویا اسکو مدراس کا ایک قدیم ترین مشاعرہ تصور فرمائیے، دیوان کے الفاظ یہ ہیں :-

''آمد سخن دکھنی وقتے در قصبهٔ ایلور یاران دوستی نشان در کلبهٔ این ابجد آموز دبستان ارباب نکته پردازی گرم کن طرب ایجاد هنگامه هم بزمی بود، اتفاقاً بر زبان معنی ترجمان این مصرعه دکھنی گذشت مصرعه :-

جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

چنانچه مصرعه مسطورہ هر کسے را پسند خاطر افتاد همه در فکر مخمس این مصرعه شدند، چون باعث بمن حرف خوان نسخهٔ نیاز گشته بودند همون وقت بدیهه نوك ریز قلم شکسته رقم گردید و آن این است :-

مخمس اردو :-

جانان نے مجھ سوں آج دیکھو کیا ادا کیے
یکبار دل کوں صید بقید بلا کیے
دے جام دلبری کا مجھے مبتلا کیے
مجکوں تدرو سرو قد دلربا کیے

جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

کے فن سوں دلفریب کے حیران کیے مجھے
گل مکھ دیکھا کو بلبل نالاں کیے مجھے
مانند زلف خویش پریشان کیے مجھے
پر تیز کوے غربت هجران کیے مجھے

جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

لالن نے تیغ ابروے خود جب علم کیے
پیچاں دے زلف سنبل پر خم کوں خم کیے
آہ کی بھٹی کوں اخگر الفت سوں دم کیے
سب عاشقان کے دل کوں جلا کر بھسم کیے

جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

انوار خوش لقا کوں تیرے دیک آفتاب
موں پر اپس کے ابر کا شرموں لیا نقاب
گل دیکھ هر چمن منے اشکوں هوئے گلاب
منگنے میں دان حسن کا هم سوں کیے عتاب

جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

رخسار با صفا پہ بایں حسن با جمال
زلفاں کے چھوڑ بال لگا دلبری کا خال
چلتی لٹکتی چال اپے ہو کو با کمال
بازار سب بتاں کا کیے ہم سوں پایمال

جو کچھ کیے سو خوب کیے نم بھلا کیے

کرنے کوں سیر باغ چلی آج گلبدن
خوباں کو لے سنگات پھری باغ و ہر چمن
کَے ناز ہور ادا سوں کرین بات خوش دھن
غازہ لگا کہ موں کوں کیے شمع انجمن

جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

لے ہات نقد دل کا مج آوارہ کر گئے
کھا کر قسم میرے سوں وفائی کا پھر گئے
مج دل پو داغ آج جدائی کا دھر گئے
شرط وفا کوں چھوڑ اتا کر مکر گئے

جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

ہم سوں کبھی نہوی جلا کر کہیں سجن
اب صحبت رقیب سوں مل کر رھی سجن
مجھ با وفا سوں کچھ بی وفانیں کئی سجن
آخر مین بیراتیا لیون تم سوں ای سجن

جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

لازم نتھا تمنکوں همنسوں نفاق کر
جا کر رہے رقیب سوں مل اتفاق کر
اوروں سوں مل رہے هیں دیکھو کیا وفاق کر
کیوں چھوڑ کر همنکوں لیے تم فراق کر
جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

دھر عشق دلمیں جیو کوں تم پر فدا کیا
کیونکر کے مجھ سے عاشق یکرنگ سوں دغا
هو کر رہے هیں آج دیکھ مجسوں بیوفا
کچھ لے انکھیاں میں شرم خدا نین رکھے ذرا
جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

اے بادشاہ حسن ذرا بی دیا کرو
بہر خدا کرم کی نظر بر گدا کرو
دیکھلا همن کوں درس سدا تم میا کرو
پیوسته عاشقاں کی دعا سوں جیا کرو
جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

سنکر بچن فراق کے مجھ پر کرم کیے
اوروں کا سنگ چھوڑ همن سوں دھرم کیے
دے جام وصل دلکوں میرے جام جم کیے
دیوان پر سجن نے رحم سب ختم کیے
جو کچھ کیے سو خوب کیے تم بھلا کیے

مرثیہ ردیف الف :-

(۱) ہوا خم بار غم سوں سرو بستان نبوت کا
ہوا باد ظلم سوں گل شمع بزم ولایت کا

سدا غمگین دو عالم کوں کیا ہے چاند ماتم کا
سکایا ہے نہال عیش کوں باد خزاں غم کا

دھلیا تخت امامت جب ستی سرسوں دو عالم کے
کھرے کے سات انپر تن پہ اپنے خرقہ ماتم کا

ہوا ختم شہادت قتل خاک کربلا جب سوں
خوشی کا نام جگ سوں گم ہوا ہے جام جوں جم کا

الم سوں شہ کے نالیا تاب لے و نیاک اس غم سوں
فلک چوتھے اوپر عیسٰی قبر گئی چھوڑ مریم کا

ہلاکی العطش کی سوس فرمائے شہ رحلت
ہوا ہے تب ستی شو آب غم سوں چشمۂ یم کا

ہوا ہے روز روشن جوں شب دیجور اس غم سوں
چھپا جب ابر میں غم کے جگر سلطان عالم کا

فلک خرقہ رنگیا ہے نیل میں غم سوں شہیداں کے
دیا بدبخت ظالم جب حسن کوں جام بھر سم کا

سموم ہجر سوں شہ کے ہوئے برہم ملایک سب
ہوا ویران باغ زندگی سب جن و آدم کا

یہی ہے بس مجھے دولت اچھوں میں غم میں سرور کے
کھوں میں صدق سوں ہر دم صفت فرزند خاتم کا

شفاعت مجھسے عاصی کوں کرینگے ساقی کوثر
رکھیا ھوں آسرا محشر میں اوس شاہ مکرم کا
سدا **دیوان** روتا حیف کھا غم سوں شہیداں کے
چھتر ھے سر پہ اوسکے گرد اھل بیت اکرم کا

وله :-

(۲) کربلا جب مقتل شہزادۂ اکمل ھوا
خاک اوسکا بر زمیں و آسماں افضل ھوا
ظلمت غم کیوں نہووے ہر دو عالم کوں محیط
آفتاب دیں کو مغرب عرصۂ کربل ھوا
زخم غم ہر شے اوپر جاری اچھیگا حشر لگ
زخم خنجر اوس گلے نازک پہ جب ھیکل ھوا
ھر دو عالم کے انکھیاں سوں لہو بھرے نالے چلے
دل گل اس ماتم سوں آ ھر یک نین میں جل ھوا
نین رھا طاقت انکھیاں میں روکے شہ کے غم بدل
سوز غم سوں ھر نین میں نیر جل کاجل ھوا
دوزخ عصیاں نصیب ظالماں کوں تھا ککر
یک تن شہدا پہ دشمن کافراں کا دل ھوا
تیر باراں کا گھٹا چھا شہکوں ظالم گھیر لی
اوسکے بہتر تن پہ سارا کفر جوں بادل ھوا
روئے جن رنجور ھو ھردم شہاں کے درد سوں
زنگ عصیاں پاک کرنے اوسکوں غم صیقل ھوا
ھر بن مو زخم غم ھے تن اوپر **دیوان** کے
اس زخم کے درد سوں ھر دمبدم بیکل ھوا

وله :-

(۳) کیا کربلا میں آل عبا پر ستم ہوا
جب او امام ہر دو سرا پر الم ہوا
آل رسول حق کے تظلم کا حال دیکھ
ہر شے کے دل سوں عیش بکتم عدم ہوا
مانند گور غم سوں بگرداب ششدری
عالم پڑا ہے جب ستی ایجاد غم ہوا
پھرتا ہے تب سوں خاك پوں لیکہ جب ستی
طوفان غم میں ذورق شاہ عجم ہوا
حیرت زدا ہو غم سوں پریشاں رہا ہے خلق
ہر شی سوں عقل و ہوش بصر اے رم ہوا
یاراں سدا حسین کے ماتم میں رو رہے
جسپر مدام فضل و خدا کا کرم ہوا
محشر بیں خوش اچھیگا شفاعت سو شہ کے او
جسکے جگر پو درد سوں غم کا زخم ہوا
کوثر سوں شاہ اسکوں کریں حشر میں غنی
رو رو کے شہ کے غم سوں جو انجواں میں نم ہوا
افسوس کھا کے غم سوں کہے رو کے زار زار
دیوان پر شہاں کا یو ماتم جنم ہوا

ردیف (م) :-

وله :-

(۴) آج سلطان پیمبر پر ہے غم
شاہ مرداں شیر اکبر پر ہے غم

سخت ھیں خاتون جنت غم منے
جب سوں اوس شاہ دلاور پر ھے غم

اے محباں ظالماں کے تیر سوں
حلق پیاسے طفل اصغر پر ھے غم

دیکھ کر سب حال اھل بیت کا
بے نہایت شاہ سرور پر ھے غم

مرغ دل پھاندے میں غم کے صید ھے
شاہ دیں شبیر و شبر پر ھے غم

ورطہ ماتم میں عالم غرق ھے
جب سوں نور چشم صفدر پر ھے غم

اے محبّاں غم شہاں کا کیا کہوں
ھر زلف کے تار عنبر پر ھے غم

کیا کہے دیوان توں غم کا بیان
بیشمار اس دین پرور پر ھے غم

سلام :-

ولہ :-

اے شہنشاہ جہاں ختم نبوت السلام
باعث ایجاد و امکاں فخر امت السلام

اے معظم شیر اکبر بادشاہ اولیاء
بدر تابان ولائے پر فتوت السلام

اے وجود اصل پاک و کعبۂ ھر دو سرا
دختر خیرالبشر خاتون جنت السلام

صاحب میزان عدل و مہبط نور اللہ
قبلۂ عالم حسن بحر ھدایت السلام

شہسوار عرصہ کرب و بلا حضرت حسین
صابر غم خسرو ملک شہادت السلام

در تاج ہر دو عالم شاہ زین العابدین
مبداء حلم و عمل کان مروت السلام

قرۃ العین پیمبر سرو باغ فاطمہ
باقر نور علی در شرافت السلام

رازدار ذوالجلال و ثابت دین نبی
جعفر صدق و صفا شاہ سخاوت السلام

آسمان جاہ و عزت موسیٰ کاظم امام
آفتاب مشرق اصل و نجابت السلام

قبلۂ کون و مکاں سلطان علی موسیٰ رضا
اے شہ مشکل کشا میر کرامت السلام

مقتدائے اہل فطرت خواجۂ ملک ہدیٰ
صاحب تقویٰ تقی کان شفاعت السلام

مورد فضل الٰہی شمع بزم احمدی
سرور عالم نقی رکن امامت السلام

محسن ہر مستمند و رہنمائے گمرہاں
اے امام عسکری دریائے رحمت السلام

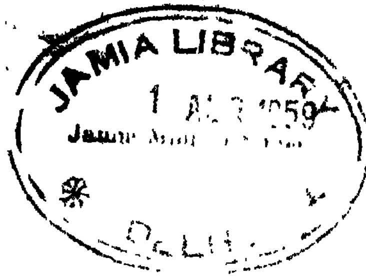
نائب حق مہدی سلطان دور آخرین
حاکم روز جزا سامی امت السلام

اے شہید بہترین کربلائے پر بلا
بادشاہ کشور جاہ و جلالت السلام

اے محبان صدق سوں آل نبی کے غم رہو
جو رہا سو پائیگا محشر میں حرمت السلام

کمترین دیوان کوں ہے سایا تمارا یا امام
حشر کوں بخشو تمیں تشریف عزت السلام

مطبوعه
پنجاب یونیورسٹی پریس
لاہور



اورینٹل کالج میگزین

مئی

۱۹۵۹ء

اورینٹل کالج

میگزین

مئی ۱۹۵۹ء

جلد ۳۵ عدد ۳ عدد مسلسل ۱۳۷

ایڈیٹر :—

ڈاکٹر سیّد عبداللہ



باهتمام مسٹر احسان الحق، ہیڈ کلرک، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور
پرنٹر و پبلشر اورینٹل کالج میگزین، پنجاب یونیورسٹی پریس، لاہور
میں طبع ہو کر اورینٹل کالج لاہور سے شائع ہوا۔

سالانہ چندہ : چار روپے

ترتیب

سی ۔ ۳۳ پنجاب یونیورسٹی پریس—۳۰۰—۵۹-۷-۱۳

لطف اللہ مہندس بن نادر العصر استاد احمد
معمار لاہوری کے متعلق کچھ مزید معلومات

ادارۂ معارف اسلامیہ کے اجلاس لاہور (سنہ ۱۹۳۳ء) میں (ملاحظہ ہو روئداد طبع لاہور سنہ ۱۹۳۵ء ص ۱ تا ۵۰) مرحوم و مغفور سید سلیمان ندوی نے نادرالعصر استاد احمد معمار لاہوری اور اسکے خاندان کے حالات پر سر سید احمد خان(۱) کے بعد غالباً سب سے پہلے روشنی ڈالی اور دیوان مہندس کی بنا پر دنیا کو بتایا کہ تاج اور لال قلعے کا معمار یہ مہندس خاندان تھا، سنہ ۱۹۳۳ء کے بعد اس سلسلے میں اور مضامین بھی لکھے گئے اور بعض اور اطلاعات بھی سامنے آئیں۔ اس خاندان کے متعدد افراد کے مختصر حالات اور انکے مصنفات کا مفید ذکر سٹوری نے پرشین لٹریچر جلد اول ص ۱۰۵۰، جلد دوم ص ۱۵ (احمد و عطاءاللہ رشدی پسر احمد): ج ۱ : ۷۸۸، ج ۲ : ۱۵، ۱۶، ۳۱، ۹۲ (لطف‌اللہ بن احمد): ج ۱ : ۲۷، ۵۴، ۹۴، ۹۵ (خیراللہ بن لطف‌اللہ): ج ۲ : ۱۵، ۳۷(محمد علی بن خیراللہ) میں کیا ہے۔

اسی مجلّے کے گذشتہ شمارے میں بھی اس خاندان کے متعلق بعض مزید معلومات دیے گئے تھے، ذیل کی سطور میں لطف‌اللہ مہندس بن استاد احمد کے متعلق دو ایک تازہ نکتے بیان کیے جاتے ہیں :-

(۱)

قرآن مجید بخط لطف‌اللہ مہندس

تقسیم سے پہلے پانی پت کے ایک عزیزالقدر دوست کے توسط سے راقم الحروف اس نسخے کے حصول سے مشرف ہوا۔ مہندس نے قرآن مجید

---

(۱) ملاحظہ ہو آثار الصنادید لکھنئو ۱۹۰۰ء، باب ۲ ص ۳،

کی کتابت بڑے اچھے خط میں کی ھے اور اختلافات قراءت حاشیے پر دیے ھیں - نفیس ریشمی کاغذ کتابت کے لیے استعمال کیا ھے -

اوراق ۳۹۷؛ سطور ۱۱، تقطیع ۱۰×۷ انچ -

سورتوں کی تمام سرخیاں، مدّات متن اور بعض علامات اوقاف شنجرف سے لکھے گئے ھیں اور اسماے سُوَر کے ارد گرد اور بعض علامات اوقاف پر سنہری کام ھوا ھے - علامات رتوع اور اختلافات قراءت بھی شنجرفی ھیں اور انکی حرکت نیلگوں، سیپاروں کے عددوں پر آرائش کا کام پرانی طرز کا ھے جیسے مغلوں کے دور سے پہلے اس ملک میں مروج تھا -

متن قرآنی ورق ۳۹۰ ب پر ختم ھوا ھے - ۳۹۱ الف سے ۳۹۴ ب تک دعاے ختم قرآن ھے - ۳۹۵ الف پر ''علامات القرّاء و رواتہم'' درج ھیں، ۳۹۵ ب تا ۳۹۶ الف پر فہرست سُوَر دی ھے بعنوان : کتبت ھذا لمعرفة مواضع السور - اس فہرست کے آخر میں ھے : کاتبه لطف‌الله بن احمد المعمار اللاھوری، مگر سواے اللاھوری کے باقی الفاظ گو مرمت کے کاغذ کے نیچے آ گئے ھیں، پھر بھی پشت کاغذ پر روشنی ڈالنے سے پڑھے جاتے ھیں - ۳۹۶ ب اور ۳۹۷ الف پر سیپاروں کی فہرست مع اعداد درج ھے، اس فہرست کا عنوان ھے :

کتبت ھذا لمعرفه مواضع اجزاء القرآن العظیم و الفرقان الکریم، کاتب نے آخری دو صفحوں پر اپنا اور اپنے باپ کا نام دوبارہ دیا ھے باین صورت :

و انا العبد لطف‌الله المتخلص بالمهندس ابن الاستاد احمد المعمار اللاھوری -

منیرا ● وهو الذي جعل
یذکر او اراد شکورا ● وعباد الرحمن الذین
الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما ●
یبیتون لربهم سجدا وقیاما ● والذین یقولون ربنا
عنا عذاب جهنم ان عذابها کان غراما ● انها سا
مستقرا ومقاما ● والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم
وکان بین ذلک قواما ● والذین لا یدعون
الها اخر ولا یقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق و

قرآن مجید بخط لطف اللہ مہندس بن الاستاد احمد المعمار



لطف اللہ مہندس کے دستخط اسی نسخے کے آخر میں

سوء اتفاق سے اسکے والد کا نام جہاں لکھا تھا وهاں کاغذ کمزور هو گیا تھا اور اس پر کسی نے ایک چیپی لگا دی ، مگر روشنی ڈالنے سے یه نام بھی پڑھا جا سکتا ھے - اور میں نے یه نام پڑھ کر اپنے خط میں لکھ بھی دیا ھے - متن قرآنی کی بعض سطور اور مہندس کے نام و نسب والی دوسری تحریر کا عکس مقابل کے لوحے پر ملاحظه هو - اس عکس سے ثابت هوگا که فضائل علمی، معماری اور شاعری کے ساتھ ساتھ لطف‌الله خطاطی کے هنر سے بھی بهره‌ور تھا، نه صرف وه خود بلکه **آثارالصنادید**[1] کی روایت کے مطابق اس کا بھائی نور الله معمار ابن احمد بھی ایک با کمال خطاط تھا، چنانچه اس کا لکھا هوا کتبه، جس پر اسکے دستخط بھی هیں، جامع مسجد دهلی میں موجود ھے -

(۲)

مرحوم سید سلیمان اور سٹوری نے مہندس کی متعدد کتابوں کا حال بیان کیا ھے- میرے کتابخانے میں اسکے دو نہایت مختصر سے رسالوں کا مجموعه ھے جو فارسی میں هیں، اور کہیں انکا ذکر نہیں دیکھا، ان میں سے پہلا ۸ ورق کا ھے اور دوسرا ۷ ورق کا، تقطیع ۷ ۱/۲ × ۳ ۱/۲ انچ، سطور ۱۰، خط نستعلیق، مجدول، عنوانات وغیرہ شنجرفی - اشکال واضح اور صحیح، کاتب کا نام محمد نعیم ھے ''ساکن قصبه لونی،، (اس نام کا مشہور مقام جودھپور (راجپوتانه) کے جنوب مشرق میں تیس چالیس میل پر واقع ھے) کاتب مذکور نے اپنا نام صرف پہلے رسالے کے آخر میں دیا ھے مگر دوسرے کا کاتب بھی یقیناً وهی ھے - سنهٔ کتابت درج نہیں -

رسالهٔ اول

یه رساله لطف‌الله نے ''افادت و افاضت پناه، فتوت و اخوت دستگاه،

---

(۱) دیکھیے طبع مذکور باب ۳، ص ۹، کتبه دریازدهم از ''نورالله احمد''-

استادنا و اعتضادنا، اولٰنا و مولٰنا عطاء الله سلمه و ابقاه ولد الاستاد احمد المذکور، کے سوال کے جواب میں لکھا ہے اور دو مقدموں اور دو فصلوں پر مشتمل ہے۔

''**مقدمهٔ اول**(1)۔ ایک ایسا مربع بنانا جس کا رقبہ ایک دیے ہوئے مربع کا نصف، تہائی چوتھائی وغیرہ ہو۔

مقدمهٔ دوم۔ ایک ایسا مربع بنانا جسکا رقبہ دیے ہوئے مربع کا دو چند، سه چند، چہار چند وغیرہ ہو۔

فصل اول۔ ایک دیے ہوئے بڑے مستطیل میں ایک ایسا چھوٹا مستطیل بنانا جسکا رقبہ بڑے مستطیل کا نصف، تہائی، چوتھائی وغیرہ ہو اس طرح پر کہ جب چھوٹا مستطیل بڑے مستطیل کے اندر رکھا جائے تو اسکے چاروں طرف حاشیہ برابر رہے۔

فصل دوم۔ ایک ایسا بڑا مستطیل بنانا جو دیے ہوئے چھوٹے مستطیل کا دگنا، تگنا، چارگنا وغیرہ ہو اسطرح کہ اگر چھوٹا مستطیل بڑے مستطیل کے اندر رکھا جائے تو اسکے گردا گرد حاشیہ برابر رہے۔''

آغاز رساله: اما بعد این رساله مرقوم خامهٔ لطف‌الله بن استاد احمد معمار لاهوری میگردد در جواب سوال افادت و افاضت الخ

انجام رساله: وهو المطلوب . الاتمام و علی نبیه الصلوة و السلام۔

---

(1) مقدموں اور فصلوں کا حاصل جو یہاں گیارہ سطر میں بیان ہوا ہے پروفیسر فضل‌الدین صاحب قریشی لاهوری نے میری درخواست پر تحریر فرمایا۔

رسالهٔ دوم

در معرفت سمت قبله(۱)

یه رسالہ میرے نسخہ میں قدرے ناقص الاول ہے اور شروع کی چند سطریں جو پہلے ورق پر تھیں اسمیں اب موجود نہیں ہیں - پروفیسر فضل الدین قریشی لاہوری کے پاس اتفاقاً اس رسالہ کا نسخہ ایک مجموعہ(۲) میں موجود ہے جو ہیئت ہی کے رسالوں پر مشتمل ہے - موصوف کی عنایت سے اس نسخہ سے بھی استفادہ کیا گیا اور جو سطور غائب تھیں وہ درج کی گئیں اور متن حاضر کا مقابلہ بھی موصوف کے نسخہ سے کیا گیا، مؤلف نے دو شکلوں کے ذریعہ سے سمجھایا ہے کہ سمت قبلہ کیونکر

---

(۱) معرفت سمت قبلہ سے متعلق قواعد اور اس سلسلے میں مسلمان ہیئت دانوں مثلا الفضل بن حاتم نیریزی (متوفی ۹۲۲-۹۲۳ع)، ابوالوفاء (م ۹۹۸ع)، ابن یونس (م ۱۰۰۹ع)، البیرونی (م ۱۰۴۸ع)، ابن ہیثم (م ۱۰۹۰ع)، چغمینی (م بحدود ۱۳۴۵) وغیرہ نے جو کوششیں کی ہیں ان کے لئے ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آو اسلام جلد ۲ ص ۹۸۷ ببعد -

(۲) اس مجموعہ میں مہندس کے رسالہ در معرفت سمت قبلہ اور چند جداول (مثلا جدول تقویم الشمس، جدول الروز نامہ وغیرہ) کے علاوہ ذیل کے رسالے بھی شامل ہیں :

۱ - سبط المارديني الشافعي (بدرالدين محمد بن محمد بن احمد بن محمد سبط المارديني) : كفاية القنوع في العمل بالربع المقطوع (عربی) -

۲ - يحيى بن محمد بن محمد الخطاب : في معرفة استخراج اعمال الليل والنهار من ربع الدائرة المسمى بربع المجيب، و ذيل آن (ہر دو در عربی) -

۳ - ابوالخير محمد بن محمد الفارسي : [في معرفة سمت القبله] (عربی) - " اختصر تها من رسائل . . . . ابی عبدالله محمد المارديني . . . . وغيره " -

۴ - رساله مشتمله على فصول يعلم بها التواريخ الثلث اعني العربي والقبطي والرومي و معرفة استخراج درجة الشمس و انتقال الشمس الى البروج الاثنى عشر وما يتعلق بذلك (عربی) -

۵ - طبیب ابراهیم دهلوی : رساله در معرفت تقویم (فارسی) تحریر ۱۱۲۹ھ -

۶ - رساله سي فصل در معرفت تقویم (عربي) -

دریافت کی جاتی ہے ۔ اس مطلب کیلیے اسکے معاصر حکیم عبدالرحیم نے شاہ جہان بادشاہ کے عہد میں دو جدول بنائے ۔ جدول اول میں چند ایسے مشہور شہروں اور علاقوں کی سمت قبلہ بیان کی جو نقطہ مغرب سے مائل بشمال ہیں، اور جدول دوم میں ان شہروں اور علاقوں کے سمت قبلہ بیان کئے جو نقطہ مغرب سے مائل بجنوب ہیں ۔ حکیم موصوف کی فرمائش سے لطف اللہ مہندس نے ان جدولوں کے مطالب کو حفظ کی آسانی کے لیے بحر وافر میں نظم کر دیا ۔ یہ نظم چالیس ابیات پر مشتمل ہے (قریشی صاحب کے نسخے میں ایک زائد بیت بھی ہے(۱)، اسے ملا لیں تو کل ابیات ۴۱ ہیں) ؛ مہندس نے یہ نظم ۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء میں تیار کی ۔ جن شہروں کا انحراف بیان ہوا ہے وہ اکثر ہند و پاکستان کے شہر ہیں ۔

ذیل میں اس رسالہ کا متن درج کیا جاتا ہے :

مصنف نے دو توضیحی شکلیں بنائی ہیں اور ان میں حروف جُمّل کو استعمال کیا ہے ۔ طیب ابراہیم دہلوی(۲) کے **رسالہ برای حل تقویم** کے اقتباس ذیل سے واضح ہوتا ہے کہ ان حروف کے لکھنے کا قاعدہ کیا تھا ۔ (یہ رسالہ ''میرزا ایرج بہادر ابن نواب مستطاب قدسی القاب خان خانان میرزا خان بہادر سپہ سالار،، کے لیے تصنیف کیا گیا) رسالہ مذکور مقدمہ، اصل کے بیس (۲۰) باب اور خاتمہ پر مشتمل ہے ۔ مقدمہ میں اصل اول یہ ہے : ''در بیان تعریف حساب جُمّل،، اس میں حساب جُمّل دے کر مصنف نے لکھا ہے : و رقم دیگر را ازین حروف ترکیب کنند چنانچہ بیشتر را اول نویسند تا ہزار، مثل (مثلاً) ہفدہ را چنین نویسند **یز** و رقم سی و پنج این (طور) : **له**، و رقم صد و سی و پنج این (طور) : **قله**،

---

(۱) اور ایک کم بھی ، دیکھیں ص ۱۵، ح ۵ ۔

(۲) دیکھیں ص ۵، حاشیہ ۲، عدد ۵ ۔

و بعد ازان عدد کمتر را مقدم دارند از عدد بیشتر، چنانچه دو هزار چنین : بغ، و باقی بدین قیاس، منجمان بجهت رفع اشتباه جیم را بی دامن می نویسند - چنین: ح و دال را همزه طور می نویسند برین وجه ء ، و اگر کاف تنها می نویسندچنین: ک و یا معکوس نویسند چنین: ک، و نون را تنها چنین ن، اما نون را بنقطه می نویسند؛ و با و جیم و زا را بی نقطه، و در مرتبهٔ که عدد نباشد آنجا صفر کشند برین صورت ۰

اب هم متن رساله در معرفت سمت قبله درج ذیل کرتے هیں :

(رساله در معرفت سمت قبله)

(۱) الحمد لله رب العالمین و الصلوة و السلام علی رسوله محمد و علی آله و اصحابه اجمعین -

بدان اسعدك الله تعالی فی الدارین که این رساله ایست مختصر در معرفت سمت قبله مشتمل بر دو باب :

باب اول

در معرفت شمال و جنوب و مغرب و مشرق

بدانکه اول زمین را مسطح و مستوی و هموار باید کرد چنانکه اگر آب بریزند هر چهار طرف علی السویّه روان شود، چون زمین مستوی و هموار شد در وسط آن نقطهٔ رسم کنیم و نقطهٔ مذکور را آ نام نهیم پس نقطهٔ آ را مرکز قرار دهیم و بر نقطهٔ آ دائرهٔ عظیم رسم نماییم، آنگاه بر نقطه آ مقیاس را قائم سازیم چنانکه نقطهٔ قاعدهٔ مقیاس منطبق شود بر نقطهٔ آ (۲) ، و مخفی نماند که مقیاس بر صورت مخروطی می باشد

---

(۱) این سطور (از الحمد لله تا نقطهٔ قاعدهٔ) از نسخه ام افتاده است، از روی قٓ (نسخهٔ پرفسور فضل الدین قریشی)ثبت نموده شد - در حواشی سطور آینده آ علامت نسخهٔ کتابخانهٔ اینجانب است، وقٓ علامت نسخهٔ پرفسور مذکور، -

(۲) د رق آ سطح (بجای آ) -

که قاعدهٔ آن مدور باشد و رأس آن نقطه، هکذا / ، و ضابطهٔ منطبق ساختن نقطهٔ قاعدهٔ مقیاس بر نقطهٔ آ آنست که بقدر قاعدهٔ مقیاس دائرهٔ صغیره بر مرکز آ رسم نماییم و قاعدهٔ مقیاس را منطبق سازیم بر دائره صغیره، درین صورت نقطهٔ قاعدهٔ مقیاس منطبق خواهد شد بر نقطه آ۔

آن که بدانکه اول روز ظلّ مقیاس قاطع محیط دائرهٔ عظیمه خواهد بود جانب مغرب (۱) و آناً فاناً ظلّ مقیاس کوتاه خواهد شد تا آنکه سر ظلّ مقیاس منتهی شود بر محیط دائرهٔ (ورق ۱ ب) عظیمه جایی که بر محیط دائره سر ظلّ مقیاس (۲) منطبق شود نقطهٔ رسم کنیم، و نقطهٔ مذکور را نقطه ب نام نهیم، پس آنکه سر ظل مقیاس داخل محیط دائرهٔ عظیمه خواهد شد و آناً فاناً ظل مقیاس کوتاه خواهد گشت تا وقت زوال، و هنگام زوال مقیاس را جز ظل اصلی نخواهد ماند، بعده آناً فاناً ظل مقیاس دراز خواهد شد جانب مشرق تا آنک سر ظل مقیاس منتهی شود بمحیط دائرهٔ عظیمه، جایی که بر محیط دائره سر ظل مقیاس منتهی شود نقطهٔ رسم کنیم و نقطهٔ مذکور را نقطهٔ (۳) حـ نام نهیم، آنگاه نقطه ب و نقطهٔ حـ را وصل کنیم بخط مستقیم و آن خط مستقیم را خط ب حـ گوییم، آنگاه خطی دیگر بکشیم که مرور کند (ورق ۲ الف) بر نقطهٔ آ که موازی باشد با خط ب حـ و بمحیط دائره عظیمه برسد در جهت ب بر نقطهء و در جهت حـ بر نقطه ه، پس ء ه خط مغرب و مشرق اعتدال باشد و ء نقطهٔ مغرب اعتدال، و ه نقطهٔ مشرق اعتدال، آنگاه خطی دیگر بکشیم که

---

(۱) ق : انگاه (بجای و)-
(۲) قّ بجایش : منتهی -
(۳) قّ : ج (اینجا و در سطور آینده) - .

مرور کند بر نقطه ا و قطع کند خط ء ه را بر نهجی که حاصل شود [از آن ـــ قٓ] زوایای اربعه قائمه و بمحیط دائرهٔ عظیمه برسد جانب خط [1]ب حـ* بر نقطه [2]ر و جانب دیگر بر نقطه [3]ح پس [4]رح خط شمال وجنوب باشد، و ر نقطهٔ شمال، و ح نقطهٔ جنوب، پس بضابطهٔ مذکور مشرق و مغرب اعتدال و شمال وجنوب حقیقی معلوم شده؛ و مولانا علی قوشجی ضابطهٔ مذکور را در رسالهٔ خود مسطور کرده است(قٓ+ :نقل دائره این ست) :

باب دوم

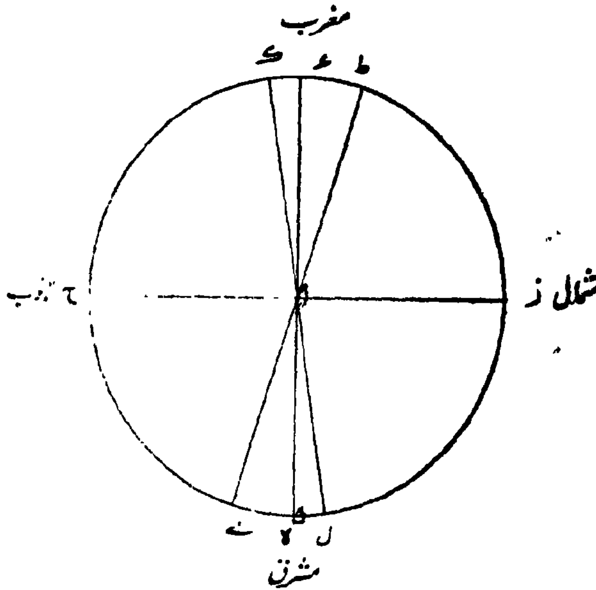
در معرفت میل قبله از نقطهٔ مغرب اعتدال بجانب شمال یا بجانب جنوب

بدانکه هرگاه در دائرهٔ عظیمه ء ه که خط مغرب و مشرق

---

(۱) ق : آ،
(۲) ق : ز
(۳) ق : ح
(۴) ق : زح

است و خط (۱) رح که خط شمال و جنوب است مرتسم شده خطوط دیگر محونماییم



ب (ورق ۳ الف) و نظر کنیم که قبلهٔ بلدهٔ مطلوبه از نقطهٔ مغرب اعتدال بجانب شمال مائل است یا بجانب جنوب ، اگر بجانب شمال مائل باشد قوس ء ر را بر نود درجه منقسم سازیم، باز نظر کنیم که چند درجه [ق : و چند] دقیقه مائل است ، فرض کردیم ده درجه و بیست دقیقه میل

ب دارد (۳ب) پس از قوس ء ر جانب ء ده درجه فصل کرده درجهٔ یازدهم را بر شصت دقیقه قسمت کنیم و از جمله شصت دقیقه بیست دقیقه فصل نمائیم تا مجموع ده درجه و بیست(۲) دقیقه فصل شده باشد ، فرض کنیم که قوس ده درجه و بیست دقیقه قوس ء ط است پس نقطهٔ ط و نقطهٔ آ را

(۱) ق : ز (بهر موضع)،
(۲) قّ : شصت (بجای بیست)،
(۳) ق : ز

وصلِ نموده بکشیم تا آنکه بآن سر محیط برسد بر نقطه ے پس خط
ط ی سمت قبله بلده مذکوره است۔

و اگر بجانب جنوب مائل باشد قوس ع ح را بر نود درجه منقسم
سازیم باز نظر کنیم که چند درجه و چند دقیقه مائل است، فرض کردیم
که پنج درجه و چهل دقیقه میل دارد و پس از قوس ع ح جانب ع (۳الف) ۳۱
پنج دقیقه فصل کرده درجه ششم بر شصت دقیقه قسمت کنیم و از جمله
شصت دقیقه چهل دقیقه فصل نمائیم تا مجموع پنج درجه و چهل
دقیقه فصل شده باشد فرض کنیم که قوس پنج درجه و چهل دقیقه قوس
ع ک است پس نقطه ک ونقطه ا را وصل نموده بکشیم تا آنکه
بآن سیر محیط برسد بر نقطهٔ ل پس خط ک ل خط سمت قبله بلده
مذکوره است،

بر ضمیر اصحاب فراست و خاطر ارباب کیاست مخفی نماند که علماء
و فضلاء از روی هندسه و حساب تحقیق نموده‌اند که قبلهٔ هر بلده از
نقطهٔ مغرب اعتدال یا مشرق اعتدال چه قدر مائل است بجانب شمال
یا بجانب جنوب و درین زمان (ورق ۳ب) سعادت عنوان که سریر ۳
خلافت بوجود باجود ابوالمظفر شهاب‌الدین محمد صاحب قران ثانی شاه
جهان بادشاه غازی مزین و محلی است نیّر برج علم و حال و محور سماء
فضلِ و کمال حکیم عبدالرحیم سلمه‌الله [ق + : تعالیٰ] دو جدول رسم
نموده، در جدول اول بلادی که قبلهٔ آن بلاد از نقطهٔ مغرب مائل است
بشمال ذکر کرده و در جدول دوم بلادی که قبله آن بلاد از نقطهٔ
مغرب مائل است بجنوب مذکور ساخته، آن گاه حکیم مذکور بکمترین

عبادالله لطف‌الله مهندس ابن استاد احمد معمار لاهوری اشاره نموده که چون نظم قریب بحفظ است سطلب آن هر دو جدول را پیرایهٔ نظم بپوشاند، این فقیر حقیر امتثالاً لامره (ورق ٥ب) العالی [آن هر)] دو جدول را منظوم ساخت، امید که اگر خطایی واقع شده باشد اصلاح فرمایند، و آن نظم اینست :

بسم الله الرحمٰن الرحیم

بنام او کنم آغاز نامه
که نورانی ز نامش گشت خامه

درود آنکه فرستم بر پیمبر
که بیت الله را شمعیست انور

درود آنکه بروح چار یارش
بود هر یک جداری بهر دارش

تو سمت قبله را ای صاحب هوش
ز لطف الله احمد گوش کن گوش

کلامم نظم قول آن حکیم است
که نام نامیش عبدالرحیم است

دو جدول کرد استاد سخن سنج
که تا یابی جهت بی محنت و رنج

(۱)[جدول اول کو بلاد مایله شمال از نقطهٔ اعتدال در آنست]*

در آن جدول که در اول مقالست
ز مغرب منحرف سوی شمالست

---

(۱) نقط در ق

۵ ب

چنان استاد دین پر [ور خبر] داد
که باشد یک(۱) [ـ دقیقه]* اکبرآباد
دقایق بیست و پنج ار(۲) گوالیار است
بنارس سی و پنج اندر شمار است
مقرر کرده حکم خالق اوج
چل و پنج از دقایق(۳) بہر قنوج
بود در جونپور(۴) ای دوست* بی شک
دقایق پنجه و نه وز دَرَج یک
شوی از احمد آباد ار سخن ران
(۵)دَرَج سه و *دقایق یازده دان
کنم از (٦) نہلواڑه تیز تقریر
درج چار و دقایق بیست و نُه گیر
شوی از میل (۷)منڈو چون سخن ران
درج پنج و دقایق سی و سه دان
ز برهانپور (۸)میگردم سخن گو
درج شش دان، دقایق دان چل و دو

---

(۱) قؔ مثل متن'
(۲) قؔ : کولیار'
(۳) قؔ : شهر'
(۴) قؔ : این راست'
(۵) قؔ (بجایش) : تو از روی'
(٦) آقؔ : نهلواره'
(۷) آقؔ : مندو'
(۸) قؔ : می باشم'

نوشت از بهر میل **دولت آباد**
درج هشت و دقایق پنج استاد
ترا از [1]**گول کنڈه*** سازم آگاه
درج تسع و دقایق چست پنجاه
۶ الف اگر خواهی شوی از [2]**بیدر** آگه
دقابق سی و شش باشد، درج ده
بگویم تا چه در **چیول**[3] بیان گشت
درج دان ده دقایق دان چل و هشت
دهم آگهی از **گلبرگه** در دم
دقابق سیزده دو زآن درج کم
ز **بیجاپور** گفت اهل حقیقه
سه و ده درج پنج و چل دقیقه
مقرر در **سراندیپ**[4] آنچنین گشت
درج [5]یط دان دقایق دان چل و هشت

[6][جدول دویم در بلادی که مائل بجنوب است]*

هرآن شهری که مائل از غروب است
درین جدول محاذی با جنوب است

(۱) آ ق : کول کنده،
(۲) ق : بندر،
(۳) ق : چلول،
(۴) ق : این چنین،
(۵) آ : بط، تصحیح از روی ق،
(۶) فقط در ق ،

در اجمیر ای سخن‌دان سخن گو
درج یک دان، دقایق پنجه و دو
کنم شاه جهان آباد تحریر
درج سه، و دقایق سی و شش گیر
[1][سفید و] ن ا و لیاء را جای گشت است
درج سه و دقایق سی و هشت است
ز ملتان مدفن اهل حقایق
[2][بود نه از] درج ده تا دقایق
[3]و گر پرسی چه در هرموز عیان گشت ٦ ب
درج دان ده دقایق دان چل و هشت*
ز مغرب منحرف لاهور بی‌شک
دقیقه بیست و یک، درجه ده و یک
بیان قندهار از من تو بر سنج
درج نبود درو الّا [4]ده و پنج
بگفت آن کو سوی کشمیر می رفت
درج هفده، دقایق پنجه و هفت
ز مغرب میل کابل گویمت چیست
دقایق پنجه و شش دان، درج بیست
اگر پرسی که تبت منحرف چیست
دقیقه سی و شش، درجه سه و بیست

(۱) آ : . . . ن که اولیا، تصحیح از روی قؔ'
(۲) از روی قؔ نوشته شد ، از آ افتاده است'
(۳) در قؔ ندارد این بیت را'
(۴) ق : دو (بجای ده)'

و اگر پرسی بدخشان منحرف چیست،
(۱)دقیقه سی و نه، درجه شش و بیست
ز مغرب بلخ گویم منحرف چیست*
دقیقه بیست و سه، درجه نه و بیست
کنون میل هرات از غرب بر سنج
دقیقه پنجه و درجه سی وپنج
سمرقند است ماوای (۲)[حقایق]
سی و هفت از درج هشت از دقایق
اگر پرسی بخارا چیست مائل
دقایق (۳)بی[ست] وسه باشد، درج چل
و اگر پرسی صفاهان چیست مائل
دقیقه پنج و سی، درجه نه و چل
(۴)[هر آن شهری که کرد استاد مذکور
بحمدالله که شد مرقوم و مسطور]*
بسال یک هزار و پنجه و هشت
۱۰۵۸
بچل بیت این لآلی منتظم گشت

تمام گشت رساله، صاحب تصنیف این مراسله لطف‌الله ابن احمد معمار غفرالله ذنبه - محمد شفیع

---

(۱) در ق ندارد و مصراع اول را راجع به بدخشان با مصراع ثانی راجع به بلخ چسپانیده است،
(۲) از روی ق، در آ زیر کاغذ مرمت آمده است
(۳) ناقص است در آ تکمیل کلمه از روی ق،
(۴) از روی ق، در آ این بیت را ندارد، عدد ابیات بشمول این بیت زاید در آ چهل و یک است، اما در ق فقط ۳۸،

ڈاکٹر نذیر احمد، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

عمر خیام کی بعض کمیاب تحریریں

عمر خیام ان خوش نصیب مصنفین میں ہے جس کے متعلق مشرق و مغرب دونوں جگہوں پر بہت کافی لکھا جا چکا ہے اور ہنوز لکھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ اردو میں سب سے زیادہ عمیق تحقیقات علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے کی، جسکی زندہ مثال انکی یادگار تصنیف ''خیام،،[1] ہے۔ ایران میں حال ہی میں ڈاکٹر محمد معین استاد دانشگاہ تہران نے تعلیقات چہار مقالہ[2] میں عمر خیام پر نہایت جامع مضمون شامل کیا ہے۔ اس مضمون کا بہترین حصہ وہ ہے جس میں خیام کے مآخذ تاریخی ترتیب سے پیش ہوئے ہیں[3]۔ ڈاکٹر صاحب نے خیام کے معاصرین سے لیکر دسویں صدی ہجری تک کی کتابوں کے حوالے مع ضروری اقتباسات کے درج کئے ہیں، اس کے باوجود آثار خیام کے ذیل میں جو کتابیں اور رسالے درج ہیں وہ خیام کی تمام تصانیف کو حاوی نہیں۔ ذیل میں بعض ایسی تحریروں کا تعارف کرایا جاتا ہے جو کتاب ''خیام،، میں شامل نہیں اور بعض ڈاکٹر معین کی تعلیقات میں بھی نہیں آسکی[4] ہیں۔

۱- مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۳۳

۲- کتابفروشی زوار' تہران ۱۳۳۳-۱۳۳۰ شمسی

۳- ص ۲۹۳-۳۲۶

۴- داتار صاحب حیدر آبادی نے جو بعد میں سوامی رام تیرتھ ہو گئے رباعیات خیام کا انگریزی ترجمہ ۱۹۰۱ء میں شائع کیا اور اس پر جو محققانہ و فاضلانہ مقدمہ لکھا سر میں خیام کے متعدد رسالے مع انگریزی ترجمے کے شامل کر دئے - اگر یہ کتاب پہلے مل گئی ہوتی تو بعض نہایت مفید باتوں کا اضافہ ہو گیا ہوتا۔

(۱) رسالۃ کتبھا عمرالخیام جواباً لثلاث مسائل۔ خیام نے ایک شخص کے تین سوالوں کے جواب میں یہ رسالہ لکھا تھا اس رسالے کے دو نسخے آقاے مجتبیٰ مینوی کو ترکی کے کتابخانوں میں دستیاب ہوے۔ پہلا روان کوشکو کے مجموعے (شمارہ ۲۰۴۲) میں آ ٹھیسواں[1] حصہ ہے۔ دوسرا نسخہ کتابخانۂ اسعد آفندی کے ایک مجموعے (شمارہ ۱۹۳۳) میں آٹھواں[2] جز ہے۔ یہ مجموعہ پروفیسر رِٹر کے مطالعے میں بھی رہ چکا تھا اور اس نے اس کے مندرجات پر رسالہ Der-Islam (سال ۲۰، شمارہ ۱، ص ۶۱ ببعد) میں[3] بحث کی ہے۔ پروفیسر بروکلمن نے تاریخ ادبیات عرب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ وہی رسالہ ہے جو جامع البدایع[4] (چاپ مصر[5] ۱۳۳۰ص ۱۷۵—۱۸۳) اور ''خیام'' (ص ۳۸۵—۳۹۲) میں چھپ چکا ہے۔ مگر پروفیسر موصوف کا یہ قیاس

۱- ملاحظہ ہو مجلۂ دانشکدۂ ادبیات تہران سال ۴، شمارہ ۲ ص ۲۷-۴۳

۲- ایضاً شمارۂ ۳ ص ۸۶

۳- عنوان اس طرح لکھا ہے: رسالہ کتبھا عمر الخیام جواباً لثلث مسائل اطلع علی عزیز خطاب سید شیخ الرئیس امین الحضرۃ''۔ ریتر نے صرف بروکلمن کا حوالہ دیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ بھی اسکو چھپے ہوے رسالے کا مترادف خیال کرتا ہے

۴- بروکلمن تتمہ اول ص ۸۵۵ پر اس نسخے کے ضمن میں یہ الفاظ لکھے ہیں: Drei metaphysische Traktata, - اگرچہ جامع کا حوالہ نہیں البتہ خیام میں چھپا ہوا رسالہ .Nadvi 373/411 ein 4. Asad 1933 f. 167/a 171/a جامع میں بھی چھپا ہے۔

۵- مینوی (مجلہ ۴، ۳ ص ۸۷) معین (تعلیقات ص ۳۲۷ ح) فہرست مجلس ۲ ص ۳۹۸ پر سال طباعت ۱۳۳۵ درج ہے۔ یہی بروکلمن میں ہے۔ لیکن کتاب خیام ص ۱۵۹، ۱۸۳، ۳۷۳، ۳۹۳ پر ۱۳۳۰ مگر ص ۱۵۹، ۱۸۳ پر مقابل عیسوی سنہ ۱۹۱۷ دیا ہے جو ۱۳۳۰ کے بجائے ۱۳۳۵ کے برابر ہے مجلہ شرق ص ۳۶۹، ۳۸۲ پر بھی ۱۳۳۰ ہی ہے۔ یہ مجموعہ سامنے نہیں ہے اس لیے اختلاف کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

صحیح نہیں معلوم ہوتا - یہ رسالہ چھپے ہوئے رسالے سے بالکل مختلف ہے - بظاہر التباس کی وجہ یہ ہوئی ہوگی کہ جامع البدایع اور ''خیام،، میں چھپے ہوئے رسالے کا موضوع زیر بحث رسالے سے بالکل ملتا جلتا ہے اور وہ بھی تین سوالوں کے جواب پر مشتمل ہے - رواں کوشکو کے مجموعے والے نسخے سے معلوم ہوا کہ خیام سے جس شخص نے تین سوال دریافت کئے تھے اس کا نام جمال‌الدین عبدالجبار بن محمد المشکوی تھا - لیکن آفندی کے مجموعے میں ابتدا میں سائل کا صرف لقب ''امین الحضرت،، لکھا ہے البتہ آخر میں ''الشیخ جمال الزمان،، کا فقرہ ملتا ہے جو بظاہر جمال‌الدین کے لیے آیا ہوگا - اس سے زیادہ جمال‌الدین بن محمد المشکوی کے متعلق اور کچھ نہیں معلوم ہے - رسالے کی ابتدا اس طرح[1] ہوتی ہے -

''طلع علی عزیز خطاب سیدنا الشیخ الرئیس امین الحضرة مبشراً بسعادة ایامه و انتظام احواله.... اما المسائل التی شرفنی سیدنا بالمباحثه فیها فلعمری انها مسائل غامضته حسنه ولکن الشکر ک ا ثر (کذا) مما لایقف علیها الا الذکی الفطن البالغ فی الحکمة - ولکن لم اجد بداً من أن اخوض فی شرح الاهم من بعضها قبل الملاقات،،

تینوں[2] مسئلے یہ ہیں -

(۱) ان کانت النفوس الناطقه باقیة بعد الموت - فلابد من أن یکون لکل واحد منها (منهما) وجودٌ خاص، باشخاصها -

---

۱- مجله دانشکده سال ۳،۴ ص ۸۶

۲- ایضاً -

(۲) اذ كانت الحوادث الممكنة التی تحدث واحدة باسبابها و كذلک علی التسلسل ـ

(۳) قد أثبت وجودالزمان بالحركة و حد بانه مقدار حركة الفلک ثم قرر ان الحركة غیر قائمة بذاتها ـ

دوسرے مسئلے کے جواب کے ضمن میں خیام نے لکھا ہے کہ ۴۷۳ ھجری میں جب میں فارس میں مقیم تھا تو ایک رسالہ اسی موضوع پر قاضی القضاۃ ابوطاهر کے لیے لکھا تھا ـ اس کے نسخے فارس، اصفهان اور بغداد میں نو ہیں، لیکن میرے پاس کوئی نسخہ موجود نہیں، ورنہ بھیج دیتا ـ فی‌الحال ان امور کے تکرار کی تاب نہیں، کیونکہ وہ بہت زیادہ ہیں....... دوبارہ لکھنے سے قاصر ہوں، اس لیے کہ سخت بیمار رہ چکا ہوں ـ خود اسکے الفاظ[۱] ملاحظہ ہوں ـ

''و قد استوفیت الکلام علی هذا المعنی و بعض کلام المخالفین فیه فی رسالة کتبتها الی قاضی قضاة فارس ابی‌طاهر رحمة الله ابان مقامی بارض فارس سنة ثلث و سبعین و لتلک الرسالة باصفهان و فارس و بغداد نسخ و لیست عندی نسخة منها و الا أنفذتها الی حضرته و الوقت لایتحمل اعاده تلک المعانی و المعلومات لکثرتها......

خیام نے اس عبارت میں جس رسالے کی طرف اشارہ کیا ہے بظن غالب وہ وہی ہے، جو جامع البدائع اور کتاب خیام میں چھپ چکا ہے اور جس کا عنوان ''**الجواب عن ثلاث مسائل**،، ہے ـ لیکن علامہ ندوی مرحوم نے اسکو ابونصر محمد بن عبدالرحیم نسوی کے تین سوالات کا

۱ـ مجلۂ دانشکدۂ ادبیات تهران سال چهارم شماره ۲ ص ۴۷ ـ

جواب فرض کیا ہے۔ علامہ موصوف کے نزدیک رسالۂ مذکور رسالہ "کون و تکلیف"[1] کا تتمہ ہے اور چونکہ "کون و تکلیف" ابونصر محمد نسوی کے دو سوالوں کے جواب پر مشتمل ہے اس لئے یہ تینوں جواب بھی ابونصر ہی کے سوال سے متعلق ہوں گے چنانچہ کتاب "خیام"[2] میں ہے۔

"تین سوالات"

رسالہ کون و تکلیف کا تتمہ

"اسکے بعد اس مجموعے میں خیام کا دوسرا رسالہ ہے جسکو مصری ناسر[3] نے ایک دوسرا مستقل رسالہ سمجھکر اس کے سائل کے نام و نشان نہ ملنے پر افسوس کیا ہے حالانکہ عبارت اور مطالب سے ظاہر ہے کہ اس کا سائل بھی وہی ہے جس نے کون و تکلیف کا پہلا سوال کیا تھا اور اسی نے خیام کے مذکورۃالصدر جواب پر تین سوالات کئے اور خیام نے اس تتمے میں ان تینوں کا جواب دیا ہے اس لیے اس رسالے کو

---

۱ - یہ رسالہ جامع البدائع میں چھپا تھا - سید سلیمان ندوی مرحوم نے کتاب خیام میں دوبارہ چھاپا ملاحظہ ہو ص ۳۷۳ - ۳۸۴ -

۲ - ص ۱۹۱ - ۱۹۲

۳ - علمائے مصر میں سے ایک صاحب محیٰ‌الدین جری کردی نے ۱۳۳۰-۱۳۳۵ میں مطبع سعادت مصر سے ابن سینا اور خیام کے چند رسائل کا مجموعہ جامع‌البدائع کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ اس میں خیام کے تین رسالے رسالہ کون و تکلیف ، الجواب عن ثلاث مسائل اور رسالۃالوجود شامل تھے - یہ رسالے نورالدین بک مصری کے ایک مجموعے سے حاصل کئے گئے تھے جسکی کتابت ۶۹۹ ھجری میں ہوئی تھی -

مستقل سمجھنے کے بجائے اسی رسالہ کون و تکلیف کا
تتمہ سمجھنا چاھیے اور اس جوابی رسالے کی تاریخ بھی وھی
۴۷۳ھ یا اس کے بعد کا سال ھوگا،،

مگر زیر بحث رسالے میں مسئلہ دوم کے جواب کے سلسلے میں جو عبارت نقل ھوئی ھے اس میں جس رسالے کی طرف اشارہ ھے اس کی حسب ذیل چار خصوصیات قابل ذکر ھیں ۔

۱ ۔ وہ ۴۷۳ ھجری میں لکھا گیا ۔
۲ ۔ سائل فارس کا قاضی قضاۃ تھا ۔
۳ ۔ اس کے مطالب زیر نظر رسالے کی طرح کائنات کے وجود وغیرہ سے متعلق تھے ۔
۴ ۔ قاضی قضاۃ کا نام ابوطاھر تھا ۔

ان میں سے پہلی تین باتیں رسالہ کون و تکلیف میں موجود ھیں ۔ اس کا سنہ تالیف ۴۷۳ھ ھے ۔ وہ قاضی قضاہ فارس کے سوالات کے جواب میں تھا ۔ اس کے مطالب زیر غور رسالے سے مشابہ ھیں ۔ لیکن رسالہ کون و تکلیف کا سائل ابونصر محمد بن عبدالرحیم نسوی ابوعلی سینا کا شاگرد تھا ۔ جبکہ منقولہ بالا عبارت سے صاف ظاھر ھے کہ اشارہ کردہ رسالے کے سائل کا نام ابو طاھر تھا ۔ ایسی حالت میں یہ فرض کرنا یقینی ھے کہ رسالہ کون و تکلیف کے مشابہ مطالب پر مشتمل خیام کا کوئی اور رسالہ یقیناً ھوگا جو قاضی قضاۃ ابوطاھر کے سوالات کے جواب میں لکھا گیا ھوگا ۔ چونکہ ''الجواب عن ثلاث مسائل،، کے مطالب رسالہ کون و تکلیف سے اتنے ملتے ھیں کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے اسے آخرالذکر کا تتمہ سمجھکر اسکے سائل کا نام بھی

محمد نسوی فرض کرلیا ہے۔ (حالانکہ اس رسالے کے سائل کا نام مذکور نہیں اور مصری ناشر نے اسکے نام و نشان کے نہ ملنے پر اظہار تاسف کیا ہے) اس لیے ظن غالب یہی ہے کہ اس کے سائل کا نام ابوطاہر ہی ہوگا اور اس بنا پر اسکو رسالہ' کون و تکلیف کا تتمہ سمجھنے کے بجائے الگ رسالہ سمجھنا چاہیے البتہ ایک ہی زمانے میں ایک ہی اطراف میں دو قاضی القضاۃ کی موجودگی کھٹکتی ضرور ہے۔

خیام کی مشہور کتاب ''جبر و مقابلہ،،[1] قاضی قضاۃ ابوطاہر کے نام منسوب تھی۔ علامہ ندوی مرحوم نے اسکی شخصیت کے تعین میں بڑی کوشش کی اور بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ :—

''قاضی القضاہ ابوطاہر سے خیام کی مراد امام ابوطاہر سازی سمرقندی شافعی سے ہے یہ اصل میں مازندران کے ایک مقام ساریہ کے رہنے والے تھے مگر ولادت اصفہان میں ہوئی اور پرورش، نشو و نما، تعلیم و تربیت سمرقند میں پائی تھی اور وہاں کے رئیس شافعیہ ہوگئے تھے[2]....یہ غالباً ترکستان میں ایلک‌خانی سلطنت کے قاضی‌القضاۃ تھے یا خیام نے اعزازی طور سے قاضی‌القضاۃ لکھدیا[3] ہے،،

اس کے ساتھ سید صاحب نے مزید یہ بھی قیاس کیا ہے[4] کہ :—

''سلجوقی رصد خانے میں پہنچنے کے پہلے (۴۶۷ھ) خیام ابو طاہر

۱۔ ف۔ ویپکے کے توسط سے ۱۸۵۱ ع میں فرنچ ترجمے کیساتھ پیرس سے شائع ہو گیا ہے۔

۲۔ ملاحظہ ہو کتاب خیام ص ۱۰۰-۱۰۱۔

۳۔ ص ۱۰۳۔

۴۔ ص ۹۹۔

سے ترکستان میں روشناس ہوا اور شاید ابوطاہر ہی کے
واسطے سے شمس‌الملک [1] خاقان بخارا تک پہنچا -

ظاہر ہے کہ جو عبارت مسئلہ دوم سے اوپر نقل ہوئی ہے اس سے ابوطاہر کی شخصیت کا تقریباً تعین ہوگیا - ترکستان کے بجاے وہ فارس کا قاضی القضاۃ تھا - بظاہر خیام اس سے ابتدا میں متعلق نہیں ہوا تھا بلکہ سلجوقی رصدخانے میں پہنچنے کے مدتوں بعد اس سے فارس میں منسلک تھا - اس سے ایک بات یہ بھی تقریباً صاف ہوجاتی ہے کہ جبر و مقابلہ خیام کی ابتدائی تصانیف میں نہیں ہوگی - وہ ۴٦۷ کے قبل کے بجاے ۴۷۳ کے قریب سمرقند میں نہیں بلکہ فارس میں لکھی گئی ہوگی -

جمال‌الدین عبدالجبار بن محمد المشکوی کے سوالات کے جواب میں جو رسالہ لکھا گیا اور جسکی صراحت اس وقت کی جاری ہے وہ ۴۷۳ ہجری کے کافی بعد مرتب ہوا ہوگا اس لیے کہ مسئلہ ثانی کی جو عبارت نقل ہوئی ہے اس میں قاضی القضاۃ ابوطاہر کے نام کے ساتھ ''رحمۃاللہ،، کا فقرہ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت قاضی القضاۃ کا انتقال

۱- یہ ایلک‌خانی خاندان کا گل سرسبد تھا - اس خاندان نے ۳۸۰ سے ٦۰۹ تک حکومت کی ہے ' کبھی خود مختار حیثیت سے اور کبھی غزنویہ' سلجوقیہ' قراحطائیہ' خوارزم شاھیہ کے باجگزار کی حیثیت سے' شمس‌الملک اپنے باپ طمغاج خان ابراھیم کی وفات پر ۴٦۰ میں تخت نشین ہوا اور ۴۷۲ھ میں وفات پائی - اس نے الپ ارسلان سلجوقی کی لڑکی سے شادی کی تھی اور خود اپنی چچازاد بہن ترکان خاتون کی شادی ملک شاہ سے کی - وہ بڑا علم دوست تھا - عوفی نے جوامع‌الحکایات میں خصوصیت کے ساتھ یہ صفت ظاھر کی ہے - (ملاحظہ ہو خیام ص ۱۰٦-۱۰۸ اور تاریخ بیہقی مرتبہ پروفیسر نفیسی مجلد سوم ص ۱۱۵٦ ببعد)

هو چکا تھا اور اس وقت تک ابوطاھر کے نام کا رسالہ (جسکو سید سلیمان ندوی مرحوم نے تتمۂ کون و تکلیف قیاس کیا ھے) تمام بلاد فارس، اصفہان اور بغداد میں عام ھوچکا تھا۔

(۲) رسالۂ در حل یک مسئلۂ جبری - یہ عربی رسالہ جو پانچ ورق پر مشتمل ھے اس میں الجبرا کے ایک مسئلہ کا حل قطوع مخروطی (علم مثلثات) کے وسیلے سے پیش کیا گیا ھے۔ در اصل یہ ایک سوال کا جواب ھے جو عمر خیام سے کسی شخص نے اس موضوع پر کیا تھا۔ اس کا ایک خطی نسخہ ڈاکٹر عباس اقبال آشتیانی مرحوم استاد دانشگاہ تہران کے ملک میں تھا۔ اس کا تعارف انہوں نے مجلۂ شرق شمارہ[۱] ھشتم میں کرایا تھا۔ اگرچہ اس کا موضوع ریاضی ھے، مگر اس میں بعض تاریخی و حکمی مسائل بھی آگئے ھیں۔ ڈاکٹر آشتیانی موصوف نے اس کے مطالب کا خلاصہ ان الفاظ میں[۲] پیش کیا تھا۔

''امّا ریاضیون قدیم غیر عربی زبان بچیزے ازیں مقولہ (جبر و مقابلہ) پے نہ بردند و از اطلاعات ایشان در این باب چیزے بما نہ رسیدہ و بہ زبان ما نقل نہ شدہ ولے از متاخرین آشنا بہ زبان ما اول کسیکہ بنوع ثلاثی از ایں چہاردہ قسم (یعنی چہاردہ قسم معادلہ جبری کہ خیام آنہا را تعداد کردہ) برخوردہ ماھانی[۳] مہندس است کہ در حل مقدمۂ کہ ارشمیدس در کتاب خود آوردہ بہ مسئلۂ مواجہ شدہ و آن را خواستہ

۱- ص ۳۸۰-۳۸۱

۲- ایضاً

۳- ابوعبداللہ محمد عیسیٰ ماھانی تیسری صدی ھجری کا مشہور ریاضی داں- (لغت نامہ ج اول ص ۶۰۳)

است با استعمال اصطلاحات علماے جبر حل کند و چون استخراج آن با قطوع مخروطات ممکن نه شده آن را ممتنع شمرده و فاضل مزبور باوجود مقام فضل و تقدم او در این فن در حل این مسئله عاجز ماند تا آنکه ابوجعفر[۱] خازن ظهور کرد و راه آن را یافت و رسالهٔ در آن خصوص نگشت و ابونصر[۲] بن عراق مولی[۳] امیرالمومنین از مردم خوارزم در حل مقدمهٔ که ارشمیدس براے استخراج ضلع مسبع در دایره بکار برده نیز اصطلاحات جبریون را استعمال نموده و معادلهٔ[۴] را که ترتیب داده با قطوع[۵] مخروطات حل کرده و این مرد از بزرگان طبقهٔ علماے ریاضی بوده است و مسئلهٔ که ابوسهل کوهی[۶] و ابوالوفا بوزجانی[۷] و ابوحامد صغانی[۸] و جماعتے از رفقاے ایشان که در بغداد مقیم دربار عضدالدوله[۹] بودند از حل آن عاجز آمدند این بود که عدد ده را چنان بدو جزٔ

۱- ابو جعفر خازن خراسانی وفات درمیان ۳۵۰، ۳۶۰ھ کارنامے کے لیے ملاحظه هو لغت نامه ج ۱ ص ۳۹۰-۳۹۱

۲- مقتول ۴۰۸ھ، ملاحظه هو چهار مقاله متن ص ۱۱۸، ۱۲۰ تعلیقات ص ۴۱۹-۴۲۲ (مرتبه ڈاکٹر معین)

۳- کذا در آثارالباقیه (مقدمه)

۴- مساوات

۵- Trigonometry یا علم مثلثات

۶- متوفی ۵ ۴، عضدالاوله اور شرف‌الدوله کا درباری منجم - اس کا پورا نام ابو سهل بیژن کوهی پسر رستم طبری تها

۷- پیدائش ۳۲۸، وفات ۳۷۶، اس کے کارناموں کی تفصیل کے لیے ملاحظهٔ هو لغت نامه دهخدا ج اول ص ۹۲۱ -

۸- متوفی ۳۷۹ ھ -

۹- ۳۳۸ - ۳۷۲ ھ -

تقسیم کنید کہ مجموع مربع آن دو جزء با خارج قسمت جزء بزرگ‌تر بر جزء کوچکتر معادل[1] ۲ے شود حل این مسئله بمعادلهٔ منجر شود که مجهول[2] درجهٔ اول یا مجهول درجهٔ سوم و دوم و عدد معلوم برابر میگردد و این فضلاء مدتہاے مدید درحل آن مسئله متحیر بر ماندند تا ابوالجرز آن را استخراج کرد و آن را در کتابخانهٔ ملوک سامانی مخزون نمودند،،

رسالهٔ مذکور سے مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ مساوات جبری کی ۲۱ قسموں میں سے صرف گیارہ قسمیں خیام کے پہلے کے ریاضی دانوں کو معلوم تھیں باقی دس قسموں کو خیام نے قطوع مخروطی کے وسیلے سے حل کیا ہے۔ خیام اس رسالے میں وعدہ کرتا ہے کہ اگر فرصت ملے گی تو وہ ایک کتاب انواع معادلات کی تفصیلات میں لکھے گا۔

ڈاکٹر عباس اقبال آشتیانی کا خیال[3] ہے کہ خیام نے جس رسالے کا ذکر کیا ہے وہ غالباً اس کا مشہور رسالہ جبر و مقابلہ ہے، جو ویکے کے توسط سے ۱۸۵۱ء میں فرنچ ترجمے کے ساتھ پیرس میں طبع ہوچکا ہے۔

مولانا ندوی مرحوم نے رسالهٔ جبر و مقابلہ کی بعض عبارتوں سے استدلال کیا ہے کہ خیام نے جبر و مقابلہ کے پہلے ایک رسالہ بعنوان ''رسالهٔ استخراج اضلاع مربعات و مکعبات،، لکھا تھا۔ ملاحظہ ہو[4]:-

''مربع اور مکعب چیزوں کے اضلاع دریافت کرنے کے چند طریقے اہل ہند کو معلوم تھے، جو معمولی استقراء پر مبنی ہیں

۱- اس کا جواب ۸ اور ۲ ہو -

۲- مثلاً ا یا انگریزی کا x جو الجبرے میں عدد مجہول کے لیے علامت فرض کر لیتے ہیں -

۳- رسالۂ شرق ص ۳۸۲

۴- ص ۱۶۵ - ۱۶۷

اور وہ ایک سے لیکر ۹ تک کے مربعات ہیں یعنی ایک دو تین کے مربعات اور اسی طرح ان کے مضروبات جیسے دو کو تین میں ضرب دیکر حاصل ضرب نکالا جائے .... ہماری ایک کتاب اس طریقۂ حساب کے صحیح ہونے اور اس سے مطلوب حاصل کرنے کی دلیلوں پر ہے اور ہم نے اسکی بہت سی قسمیں اور اضافہ کی ہیں ....

یہ تفصیل ڈاکٹر آشتیانی کے مخطوطے پر پوری نہیں اترتی۔ البتہ سید سلیمان[1] مرحوم کا خیال ہے کہ مؤلف گنج دانش نے ایک کتاب ''علم المساحة و المکعبات،، کا ذکر کیا ہے ممکن ہے یہ ''رسالۂ استخراج اضلاع مربعات مکعبات، ہی ہو۔

اس سلسلے میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ ڈاکٹر آشتیانی نے جو اقتباس درج کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے مطالب مقدمۂ ''جبر و مقابلہ،، کے مطابق ہیں۔ کتاب ''خیام[2]،، کے حوالے سے ہم اس مقدمے کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں:

اگلے محققین کی کوئی تصنیف اس بارے میں (مشکل مقدمات جبری) مجھکو نہیں ملی معلوم نہیں کہ تلاش و تحقیق کے بعد وہ انکو نہیں سمجھ سکے یا ان کو اپنے اثنائے تحقیق میں ان مقدمات کی ضرورت ہی پیش نہ آئی یا ہماری زبان میں ان کی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا.... پچھلے لوگوں میں سے ماہانی اس مقدمے کا حل جبر و مقابلہ سے کر سکا

۱- ایضاً ص ۱٦۷

۲- ایضاً ص ۱۷۰-۱۷۱

ہے جسکو ارشمیدس نے اپنی کتاب ''الکرۃ و الاسطوانہ،،
کے دوسرے مقالے کی چوتھی شکل میں مسلم مانکر استعمال
کیا ہے، تو ماھانی کو دوسرے چند معادل کعاب اموال اور
اعداد کی ضرورت پیش آئی جنکو غور کے بعد بھی وہ جب حل
نہ کر سکا تو اس نے یقین کر لیا کہ ان کا حل ناممکن
ہے یہاں تک کہ ابوجعفر خازن پیدا ھوا اور اس نے ان
مشکلات کو قطوع مخروطیہ سے حل کیا......

مطالب کی یکسانیت سے صاف ظاھر ہے کہ یہ رسالہ بھی **عمر خیام** ھی کی تراوش خامہ کا نتیجہ ہے، جو جبر و مقابلہ سے الگ ایک رسالہ ہے اور غالباً اس سے متقدم بھی ہے۔

(۳) ترجمۂ خطبۂ تمجیدیۂ ابی سینا۔ آقاے سعید نفیسی نے مجلۂ شرق ۸، دورۂ اول ۱ میں لکھا ہے۔

در بعضی سفینہاے قدیم خطبۂ بتازی از شیخ الرئیس ابن
سینا ثبت است کہ خطبۂ است در توحید و ظاھراً آن خطبہ
را امام عمر خیام در سال ۴۷۲ بخواھش بعضے از دوستان
خود در اصفہان ترجمہ کردہ است

آقاے سعید نفیسی نے اس ترجمے کے دو نسخے اسی(۲) شمارے میں چھاپے ھیں پہلے نسخے میں جو قدیم ہے یہ عبارت موجود ہے :

ترجمہ" الخطبہ" لعمر بن ابراھیم النیساپوری الخیام الخ

۱- ص ۳۳۹
۲- ص ۳۵۲ تا ۳۵۹

دوسرا نسخه بهی خیام کی طرف اسطرح منسوب هے :

فصل فی شرح الحکیم عمر بن الخیام الخ

معلوم نہیں آقاے نفیسی نے کس کتابخانے سے یہ نسخے حاصل کئے - ڈاکٹر عباس اقبال آشتیانی نے مجلهٔ شرق[۱] کے اسی شمارے میں دو نسخوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا هے :

در سال ۱۳۴۷ که خیام در اصفهان بوده بدرخواست جماعتے از دوستان یکے از خطابه‌های شیخ‌الرئیس ابو علی سینا را از عربی بفارسی نقل کرده و اصل این خطابه و ترجمهٔ فارسی آن در مجموعهٔ از رسایل در تصرف حضرت آقاے حاج سید نصرالله نقوی مدظله است..... و نسخهٔ از آن نیز در کتابخانهٔ مدرسهٔ ناصری در جزء مجموعهٔ از رسایل هست ...

غالباً آقاے نفیسی نے کسی اور کتابخانے میں یه نسخه دریافت کیا هے کیونکه مدرسهٔ ناصری کے مجموعے والے نسخے کو عباس علی کیوان قزوینی نے میوهٔ زندگی میں ۱۳۴۹ھ میں چهاپ دیا تها جو بقول آقاے نفیسی[۲] ''اندك اختلافے با نسخ ما دارد،، اس اعتبار سے اس ترجمے کے کم از کم تین نسخے ایران میں اور ایک ترکی میں دریافت هو چکے هیں - تعلیقات چهار مقاله[۳] سے معلوم هوا که خطبهٔ تمجیدیهٔ ابن سینا مع ترجمهٔ خیام چند اور رسالوں کے ساته عبدالباقی گولپیگاری نے کتابخانهٔ رمزی استنبول کی طرف سے ۱۳۳۲ھ شمسی میں چهاپ دیا هے -

---

۱- ص ۴۷۰، ۴۷۱

۲- مجلهٔ شرق شماره ۱۱ ص ۶۶۰

۳- ص ۶۲۴ - قاضی اختر میاں جوناگڈهی نے اپنے مجموعهٔ مقالات انگریزی (طبع ۱۹۴۵) میں ابن سینا کا عربی متن اور خیام کا فارسی ترجمه چهاپ دیا هے اور قیاس کیا هے که ان دونوں کا نسخه کہیں اور نہیں هے، حالانکه آقائے نفیسی اور ڈاکٹر آشتیانی ربیع الاول ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء میں ان کے نسخے دریافت کرچکے تهے-

اس ترجمے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ خیام ۴۷۲ھ میں اصفہان میں موجود تھا۔ آقاے مجتبیٰ مینوی اس راے کی تائید کرتے ہوے لکھتے ہیں [۱] :

خبر از آنکه خیام در سال ۴۷۲ در اصفهان بوده از ترجمهٔ که از خطبهٔ تمجیدیهٔ ابن سینا نموده است الخ

آقاے نفیسی کے دونوں نسخوں میں اتنا اختلاف ہے کہ انھوں نے دونوں کو الگ الگ چھاپ دیا ہے ، نسخہ قدیم طویل اور نسخهٔ جدید مختصر ہے ، اول الذ کر اسطرح شروع ہوتا ہے :

پاکا بادشاها! دا دار ایزد کامگار خداوندے که آغاز همه چیزها ازوست و باز گشت و انجام همه چیزها بدوست الخ

دوسرے نسخے کی ابتدا اسطرح ہوتی ہے :

پاك بادشاهی دادار ایزد کامیاب خود هست که آغاز چیزها ازوست و انجام و باز گشت همه چیزها بدوست الخ

(۴) **قصیدهٔ فارسی** - خیام کے نام سے گیارہ ابیات کی ایک مختصر نظم رباب نامهٔ سلطان ولد فرزند مولانا روم کے آخر میں درج ہے - یہ نسخہ جسکی کتابت ۷۰۴ھ [۲] کے قبل ہوئی تھی قونیہ کے

۱- مجلهٔ دانشکدهٔ ادبیات تهران سال ۴، شماره ۲ ص ۳۷

۲- اس لحاظ سے یہ نسخہ کافی اہم ہے کہ اُسکی کتابت خود مصنف کی زندگی ہی میں ہوئی تھی، قونیہ کے میوزیم کی موجودگی سے اس کی اہمیت واضح ہوتی ہے- ایسے اہم نسخے کے سارے مندرجات درخور اعتناء ہونگے -

میوزیم (شمارہ ۲۱۴۳) میں محفوظ ہے۔ آقاے مجتبٰی مینوی کے توسط سے اسکی اشاعت [1] ہو گئی ہے۔ عنوان نظم یہ ہے :

للخیام تجاوز اللہ عن سئیاتہ و رفع درجاتہ

پوری نظم یہ ہے :

رہے نمود مرا راست سوے آبحیات
شبے بہ شہر رے اندر مفلسی ز قضات
نخست گفت کہ از کردگار دانش خواہ
اگر بخوانی بر آسمان بہ شب دعوات
حیات خویش بر آن گونہ بیقرار مکن
کہ بر نو زار بگرید پس از حیات سمات
وگر حیات نبات تو جز بقا باشد
پس از حیات نبات تو بہ حیات نبات
وگر ترا عرصاتی نمودہ اند ز دور
محققان حکایات و صادقان روات
تو در ترزوے محشر نشستۂ و ہنوز
دل تو منتظر حشر و قصۂ عرصات
وگر غرض ز صلات و صیام فرمانست
تو سر مپیچ ز فرمان صوم و ورد صلات
وگر ز حکمت کار صلات بے خبری
تو گر صلات پرستی بود صلات تو لات
براہ حج شتابی و مال صرف کنی
ز راہ دور، ھمی تا بر آوری حاجات

۱- مجلۂ دانشکدہ سال دوم شمارہ ۴ ص ۴۷

نخست قاضی حاجات را طلب پس حج
نخست معرفت نفس جوی پس عرفات
تو مایهٔ همه اشیائی گرچه یک چیزی
چنانکه صورت آحاد مایهٔ عشرات

ڈا کٹر محمد معین نے تعلیقات چہار مقالے[۱] اور ڈاکٹر صفا نے تاریخ ادبیات ایران[۲] میں بھی یہ نظم آقاے مینوی کے حوالے سے نقل کر دی ھے۔

(۵) **تقریر مختصر بعربی** - میوۂ زندگی تالیف عباس علی کیوان قزوینی میں ایک مختصر سا رسالہ ھے جو بقول پروفیسر سعید نفیسی کے عمر خیام ھی کا رسالہ ھے ، ملاحظہ[۳] ھو :

پس از آن (ترجمهٔ خطبهٔ ابن سینا بقلم خیام) تقریر دیگر بعربی انتشار داده اند که چوں در نسخهٔ متعلق بمدرسهٔ ناصری که آن نسخه را از آن برداشته اند این تقریر بلا فاصله آمده و بنام دیگرے منسوب نیست و حال آنکه تمام مندرجات آن مجموعه که در کتابخانه مدرسهٔ ناصری است نام گوینده و نویسنده دارد، حدس زده اند که آن تقریر نیز از عمر خیام باشد و اگر چنین باشد تقریرے دیگر از عمر خیام است بجز آنچه تاکنون از آثار وے معروف بود

لیکن مجلهٔ شرق، دورۂ اول ھی کے شمارہ ۸[۴] میں ڈاکٹر عباس اقبال آشتیانی نے اس کی نسبت ''مسلم نیست،، بتائی ھے ۔ ملاحظہ ھو۔

۱- ص ۶۲۳
۲- جلد دوم ص ۵۳۰
۳- مجلۂ شرق دورۂ اول شمارہ ۱۱ ص ۶۶۰
۴- ص ۳۸۲

رسالهٔ عربی کوچک دیگرے که نسبت آن به خیام مسلم نیست ۔

(٦) رسالهٔ موسیقی عربی ۔ آقاے مجتبٰی مینوی نے اس رساله کا ذکر مجلهٔ دانشکدهٔ ادبیات سال ۴، شماره ۲ [1] میں اسطرح کیا ھے :

از یک رسالهٔ عربی دیگر از خیام دربارۂ موسیقی که آن نیز مشهور نیست بعد ازینها بحث خواهم کرد ،

اگرچه اس وقت تک مجلهٔ مذکور کے تمعدد شمارے نکل چکے ھیں مگر اب تک رسالهٔ موسیقی پر بحث نهیں ھو سکی ھے ۔ البته ڈاکٹر محمد معین نے چهار مقالے[2] کے آخر میں آقاے مینوی کی یادداشت سے استفاده کرکے اس رسالے کے متعلق حسب ذیل اطلاع بهم پهنچائی ھے :

"مجموعه ایست در کتابخانهٔ عمومی شهر مغنیسا (ترکیه) بشماره ۱۷۰۵ که رسالهٔ ششم آن در موسیقی است و در ورقهاے ۹۳ ب تا ۹۵ ب (پنج صفحه) آن مجموعه درج شده است آقای مینوی از قراین حدس میزنند که نسخه در قرن هفتم کتابت شده این رساله چنین آغاز می شود :

بسم الله الرحمن الرحیم من کلام لفیلسوف عمر الخیامی القول علی اجناس الذی بالاربعهٔ ان نسبهٔ المثل و الثلث یقسم بثلاثهٔ انساب فیکون ثلثهٔ ابعاد و ینحصر فی اربعهٔ

۱- ص ۷۵

۲- ص ٦۲۳

نغمات فلذلک سمی المثل و الثلث بالذی بالاربعہ" . .

و چنین پایان می پذیرد :

.. و ان کان ایضاً فی نسبہ" الزائد جزء الآن النسبہ" متٰی صغرت لایحس بائتلافھا فی المسموع و للّٰہ الحمد و المنّہ" نجزت الرسالہ" بعون اللہ و حسن توفیقہ آقاے مینوی در انتساب این رسالہ بخیام شکے ندارند ،، [۱]

(۷) رسالۃ فی کلیات الوجود ۔ اگرچہ وجود پر خیال کا یہ رسالہ اتنا کافی مشہور ہے نہ بروکلمن نے بھی اس کا ذکر کیا ہے مگر اس کے صرف تھوڑے سے نسخے دریافت ہوئے ہیں ، اس بنا پر اسکو بھی اس مضمون میں شامل کر لیا گیا ہے ۔

یہ مختصر سا رسالہ وجود کی فلسفیانہ بحث پر مشتمل ہے جس میں الٰہیات و امور عامہ کے مسائل اور عقل، نفس، افلاك و عناصر کی ترتیبی پیدائش بیان ہوئی ہے ۔ بقول علامہ ندوی مرحوم [۲] کے اس رسالے سے خیام کے دو اصولی عقیدوں کا پتا چلتا ہے :

۱ ۔ عقول عشرہ اور نفوس فلک سے جو کدورت اور مادیت کے غبار سے پاك ہیں ایجاد عالم کا آغاز ہوا ، واجب الوجود سے عقل اول ، عقل اول سے نفس اول اور عقل دوم علی ھذا الترتیب پیدا ہوئی ۔ خلق کائنات کی تکمیل انسان پر اور انسان کی انتہا عقل و نفس پر ہوتی ہے ۔ انسان کی عقل و نفس کا کمال یہ ہے کہ وہ پاکی، طہارت، نزاہت اور

۱- تکملہ ۱ ص ۸۵۵

۲- خیام ص ۲۰۱-۲۰۵

مادیت سے بری ہونے میں ان نفوس و عقول کے ساتھ ایسا تشابہ حاصل کرے کہ مادی انسان عالم مجردات کی مثال بن جائے ۔

۲ ۔ عمر خیام متکلمین کے مناظروں، حکماء کی دلیلوں ، اسماعیلیوں کے باطنی طریقوں کو بےاثر سمجھ کر تصوف کے مشاهدات و انوار سے فیض چاهتا ھے ۔ بقول ندوی مرحوم کے خیام نے اختصار کے ساتھ جو کچھ بیان کیا ھے وھی غزالی کی ''منقذ من الضلال ،، میں شرح و تفصیل کے ساتھ مذکور ھے ۔

اس رسالے کے دیباچے میں ھے کہ جب خیام ، فخرالملک کے دربار میں باریاب ہوا تو اس نے حکیم سے علم کلیات کے بارے میں یادگار کی خواهش کی تو یہ مختصر سا رسالہ مرتب ہوا جو ضخیم کتابوں سے زیادہ سودمند ھے ۔

فخرالملک کی شخصیت کے باقاعدہ تعین کے سلسلے میں ایک دشواری اس بنا پر ھے کہ اس شخص کا نام مختلف نسخوں میں مختلف طور پر آیا ھے ، مثلاً

۱ ۔ کتابخانہ ملی پیرس [۱] (مجموعۂ روضۃ القلوب) بحوالۂ کریستنسن	فخرالملک بن مؤید الملک
۲ ۔ نسخۂ موزۂ برطانیہ بحوالۂ سید سلیمان ندوی [۲]	فخرالملک بن مؤید الملک
۳ ۔ یک صفحہ از نثر فارسی خواجہ امام عمر خیام در سفینۂ بحوالۂ	

۱- فہرست بلوشہ ج ۱ ص ۱۰۸ نمرۂ ۷

۲- خیام ص ۲۰۱، ۲۱۴

مجلهٔ شرق دورهٔ اول شمارهٔ سوم[1]	الملک العادل فخرالملک بن موٴیدالملک
۴ ـ نسخهٔ در مجموعهٔ کتابخانهٔ مجلس شوراے ملی تہران بحوالهٔ فہرست کتابخانه [2] و مقاله آقاے سعید نفیسی [3]	فخرالملک

سب سے پہلے آقاے میرزا محمد بن عبدالوهاب قزوینی نے تعلیقات جہار مقاله [4] میں عمر خیام کی تصانیف کے ضمن میں اس رسالے پر بحث کرتے ہوئے فخرالملک بن موٴید کو مشتبه قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر عباس اقبال آشتیانی نے بھی [5] مجلهٔ شرق کے شمارهٔ هفتم میں اسطرح لکھا ہے :

رسالهٔ وجود فارسی که آن را خیام براے فخر الملک بن موٴیدالملک نوشته و معلوم نه شد که این فخر الملک کیست ؟ پسر ابوبکر موٴیدالملک بن خواجه نظام الملک یا فخر الملک ابو الفتح مظفر پسر نظام الملک و وزیر برکیارق و برادر موٴید الملک که باشتباه او را پسر موٴید الملک

۱- ص ۱٦۷

۲- ج ۲ ص ۳۰٦-۳۰۷

۳- مجلهٔ شرق دورهٔ اول شماره ۱۱ ص ٦۳۱

۴- ص ۳۲۷

۵- ص ۳۸۲

ضبط کردہ اند و یک قسمت از این رسالہ را نگارندہ از جنگی خطی در شمارۂ سوم مجلۂ شرق .... درج کردہ و در عنوان آن قسمت مسطور است :

"قال الحکیم الکامل ابوالفتح بن ابراھیم الخیام فی رسالہ و ضعھا فی علم الکلیات للملک العادل فخر الملک بن مؤید الملک "

جزء دوم این عبارت مغشوش است معلوم نہ شد کہ چرا فخر الملک را الملک العادل نوشتہ است ۔

گویا اس نام میں دو اشتباہ ہوئے، ایک تو فخرالملک کو مؤید الملک کا بیٹا قرار دیا ہے اور پھر اُسے ملک عادل لکھا ہے ۔

سید سلیمان ندوی مرحوم نے بھی کتاب خیام میں اسطرح [1] شبہ کا اظہار کیا ہے ۔

مگر یہ فخرالملک بن مؤید صریح تحریف ہے کیونکہ فخرالملک اور مؤید الملک دونوں باپ بیٹے نہیں بلکہ بھائی بھائی تھے دونوں نظام الملک کے بیٹے تھے اور دونوں وزیر تھے ،

ان عالموں کا اشتباہ بالکل بجا تھا ۔ یہ شبہ مجلس شورائے ملی تہران کے نسخے سے رفع ہو گیا جس میں فخر الملک کے بعد کوئی اور نام نہیں ۔ مجلس کی [2] فہرست میں رسالے کی ابتدائی چند سطریں جلی قلم

۱- ص ۲۰۲

۲- ج ۲ ص ۳۰۶-۳۰۷

سے لکھی ہوئی ہیں اس میں اور آقاے سعید نفیسی کے شائع کردہ متن[1] میں صراحۃً صرف ''فخر الملک'' ہے اس بنا پر بالیقین کہا جا سکتا ہے کہ فخرالملک کے نام میں صریحی تحریف ہوئی ہے ۔ وہ نظام الملک کا بیٹا تھا جو پہلے برکیارق کا وزیر مقرر ہوا اور ۵۰۰ ھ میں کسی[2] باطنی کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا ۔ اسی فخرالملک کے نام پر حکیم مظفر اسفزاری نے رسالۂ آثار علوی لکھا تھا جو بقول[3] آقاے قزوینی

بزبان سادۂ فارسی با بیانے جزل و شیوا و با بہترین اسلوب نگارش جمع و تالیف شدہ است ۔

رسالۂ وجود کے جن نسخوں کا ذکر اوپر ہوا ہے، ان میں سے برٹش میوزیم کا نسخہ ناقص ہے ۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اس نسخے کی بنیاد پر اسکو طبع کر دیا ہے[4] ۔ تھوڑے سے حصے کا مقابلہ پیرس کے نسخے سے بھی کر لیا ہے ۔ لیکن بقیہ حصے میں اکثر جگہ عبارت چھوٹ گئی ہے ۔ البتہ سوامی رام تیرتھ صاحب حیدرآبادی نے ۱۹۴۱ میں رباعیات خیام کے انگریزی ترجمے کے محققانہ و عالمانہ

۱۔ مجلۂ شرق شمارہ ۱۱ ص ۶۴۳

۲۔ آقاے قزوینی نے تعلیقات چہار مقالہ (راجع بہ ص ۱۰۱) میں سنجر کے ہاتھوں اس کا قتل ہونا بتایا تھا ۔ لیکن پھر ایک خط میں اسکی تصحیح کر دی (تعلیقات مذکور مرتبۂ ڈاکٹر معین ص ۳۷۳ ح نمبر ۲

۳۔ تعلیقات ص ۳۷۳

۴۔ خیام ص ۳۱۴-۳۲۳

مقدمے میں اسکو مع چند اور رسالوں کے جن میں عربی رسالہ ''الاوصاف والموصوفات'' بھی شامل ہے، متن اور انگریزی ترجمے کے ساتھ شایع کر دیا ہے۔ راقم حروف کا ارادہ ہے کہ ایرانی نسخے سے مقابلہ کرکے اس کو دوبارہ شائع کر دیا جائے - میرے دوست ڈاکٹر مختارالدین احمد (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) خیام کے دوسرے عربی رسالے ''الاوصاف و الموصوفات'' کو ترتیب دے کر شائع کرنا چاہتے ہیں -

---

ا - د - نسیم

خواجہ میر درد کے کلام میں
نظام تصوف کی تلاش

ایک ایسے شاعر کے کلام میں، جس کا سارا سرمایہ (ایک دو چیزوں کو چھوڑ کر) غزل پر مشتمل ہو، کسی خاص پیغام، نظریہ یا نظام کا تسلسل ڈھونڈنا ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ غزل اپنی روایات اور تقاضوں کے اعتبار سے اس قسم کے بار کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً کلاسیکی غزل میں تو یہ بات بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ لیکن خواجہ میر **درد** کے متعلق اس جسارت کا خیال مجھے اس وقت آیا جب ان کا یہ شعر میری نظر سے گزرا ؎

پھولے گا اس زباں میں بھی گلزار معرفت
میں یاں زمین شعر میں یہ تخم بو گیا

اس شعر نے مجھے ان کے کلام کو، ایک خاص نقطہ نظر سے پڑھنے پر مجبور کیا اور جب نظر کا یہ نقطہ ایک دفعہ روشن ہوا تو پتہ چلا کہ ہم جنہیں رنگ برنگ موتی سمجھتے ہیں حقیقت میں وہ ایک ہی تسبیح کے بکھرے ہوئے دانے ہیں۔ ضرورت صرف ایسے رشتے کی ہے جس میں انہیں رنگ، شکل اور اوصاف کے لحاظ سے آگے پیچھے پرویا جا سکے۔ یہ رشتہ میری کوشش نے مہیا کیا ہے۔

تصوف کی یوں تو بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں لیکن میں ان ان سب میں الجھ کر موضوع سے دور جانا نہیں چاہتا۔ میرے نزدیک

تصوف کی غایت وجدان یا عشق کے ذریعے حقیقت مطلق کے ادراک یا اس زندگی ھی میں ذات سے روح کے امکانی وصال کا نام ھے ۔ ایک صوفی کی ساری جد و جہد دیدار ذات کے لئے ھوتی ھے جس کے حصول کے لئے اسے ہزاروں روحانی تجربات یا صوفیاء کی اصطلاح میں مقامات سے گزرنا پڑتا ھے ۔ اس سفر کا نام سلوك اور اس مسلک کا نام لوگوں نے تصوف رکھا ھے ۔ اس کا نقطہ آغاز حیرت ھے اور منزل مقصود وصال ذات ......خواجہ میر درد کا کلام اس مسلک کے بڑے بڑے مقامات کی شاعرانہ تفصیل ھے ۔

براؤننگ نے ایک خط میں لکھا ھے کہ تمام شاعری ''لا محدود،، کو ''محدود،، میں مقید کرنے کا مسئلہ ھے ۔ یہ قول خواجہ میر درد کی شاعری پر جس بھرپور نوعیت سے صادق آتا ھے اردو شاعری میں اس کی مثال شاذ ھے ؎

شب و روز اے دردؔ درپے ھوں اس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

خواجہ میر درد کے شب و روز کی طرح، ان کے خیالات اور ان کا بیان بھی اسی چیز کے لئے وقف ھے ؎

پھولے گا اس زباں میں بھی گلزار معرفت
میں یاں زمین شعر میں یہ تخم بو گیا

حقیقت محض کے ادراك اور اس زندگی میں ذات مطلق سے روح کے امکانی وصال کا خیال، ھر شخص کے دل و دماغ میں نہیں اُبھرتا ۔ اس کے لئے خاص ذھن، قلب، استعداد، اور صلاحیت کے انسان کی ضرورت ھے ۔ ایسا انسان، حیرت، اضطراب، اور تجسّس کی دولت ساتھ

لے کر پیدا ہوتا ہے - یہی وہ دولت ہے جو اسے تصوف جیسی گراں بہا اور کمیاب شئے خریدنے پر مجبور کرتی ہے - ایسا شخص محض اپنے ''پیدا ہو جانے'' پر مطمئن نہیں ہوتا اور اپنی تخلیق کو ایک حادثہ سمجھ کر خاموش نہیں ہو جاتا بلکہ اپنی پیدائش کے مقصد، کائنات کی تخلیق کے سبب اور خالق سے تعلق جیسے سوالات کو اپنے دماغ میں جگہ دیتا ہے اور ان کے حل کی پہلے ذہنی اور پھر عملی کوشش کرتا ہے -

استعجاب، تجسّس اور اضطراب کے اس مرحلہ سے، ہر صوفی کی طرح، خواجہ میر درد بھی گزرے ہیں- ان کے کلام میں بہت سے ایسے اشعار ملتے ہیں جن سے ہمیں ان کی ابتدائی ذہنی الجھنوں کا اندازہ ہوتا ہے- یہ وہ زمانہ ہے جب کائنات کی ہر چیز بلکہ سارا ماحول ان کے لئے حیرت گاہ بنا ہوا ہے - وہ ہر شئے کی حقیقت کو جاننے کے لئے بے تاب نظر آتے ہیں لیکن ان کے لئے سب سے زیادہ اضطراب زا چیز موت ہے یہی وہ مسئلہ ہے جس پر جو انسان جتنا زیادہ غور کرتا ہے اتنا ہی اپنی حیات، کائنات، اور خالق کی حقیقت پانے کے لئے بے چین ہوتا ہے - ذوق نے سچ کہا ہے ؎

موت نے کر دیا لاچار وگرنہ انساں
ہے وہ خودبیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

موت وہ حادثہ ہے جو حساس طبیعت لوگوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے - خواجہ میر درد جیسے انسان کے لئے، جو ایک صوفی اور شاعر کا دماغ لے کر پیدا ہوا ہو، اس بات میں تجسّس اور عبرت کے ہزاروں پہلو پوشیدہ ہیں اسی لئے وہ محض ''کل نفس ذائقة الموت'' کی

اصولِ حقیقت سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ اس کی کنہ کو پانے کی کوشش کرتے ہیں اور اضطرابی کیفیت میں پکار اٹھتے ہیں ؎

آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں

لیکن جانے والا واپس آئے تو بتائے - جس نے اس جہان سے ایک دفعہ منہ موڑا دوبارہ اِدھر کا رخ نہ کیا - جگر سے ٹکڑے علیحدہ ہو گئے کلیجے کی بوٹیاں نوچ لی گئیں - سینوں سے دل نکل گئے لیکن جو کچھ زمین کے پردے میں گیا واپس نہ آ سکا ؎

نہ پایا جو گیا اس باغ سے ہرگز سراغ اس کا
نہ پلٹی پھر صبا ایدھر نہ پھر آئی نظر شبنم

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا
پر مونہہ پھر اس طرف نہ کیا اس نے جو گیا

شروع میں معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ کدھر جاتے ہیں اب اتنا پتہ چل گیا ہے کہ دنیا سے اٹھنے کے بعد اس طرف کوئی منہ نہیں کرتا لیکن اس سے ایک حساس‌دل انسان کی تسکین نہیں ہوتی وہ اس بھید کو پانا چاہتا ہے - موت انسان کے دل کا ایک چبھتا ہوا کانٹا ہے - اس راز کے معلوم کرنے کی کسے خواہش نہیں لیکن صوفی کی خواہش محض سِرّ موت معلوم کرنے تک محدود نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کمزور رگ کو ڈھونڈ کر اس پر قابو پانا چاہتا ہے - دائمی بقا اور ہمیشہ کی زندگی ...... یہ ہے اس کا مطمح نظر ...... اور تصوف اسے اس مطمح نظر کے حصول میں مدد دیتا ہے ؎

میں گو نہیں ازل سے پر تا ابد ہوں باقی
میرا حدوث آخر جا ہی بھڑا قدم سے

انسان حادث سہی لیکن صوفی محسوس کرتا ہے بلکہ یقین رکھتا ہے کہ اس "حادث" کی "قدیم" سے مناسبت ضرور ہے - روح انسانی "امر" ہے "مخلوق" نہیں - اور "امر" کو فنا نہیں - قرآن میں خداوند کریم نے تخلیق آدم کے ذکر میں کہا ہے "نفخت فیه من روحی" اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسانی روح، روح مطلق سے علیحدہ هستی رکھتے ہوئے بھی اس کا جز ہے - اسی لئے قرآن نے ایک دوسری جگہ اسے "امر رب" کہا ہے خواجہ میر درد نے انسانی روح کی اس بھولی ہوئی حقیقت کو ہی پا کر اپنی منزل مقصود کے لئے نئے راستے پیدا کئے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ؎

رکھ "نفخت فیه من روحی" کو یاد
جب تلک اے درد، دم میں دم رہے

قرآن کریم میں آتا ہے "والذین جاھدوا فینا لنهدینهم سبلنا" ..... (جو لوگ ہمارے متعلق سعی و جہد سے کام لیتے ہیں ہم ان پر اپنی راہیں کشادہ کر دیتے ہیں) .... انسان خدا اور اس کی کنہ کے متعلق سعی و جہد نہ کرنے کی وجہ سے خسارے میں ہے ورنہ وہ مسجود ملائک، اشرف المخلوقات اور نائب خدا ہے - اسی لئے اللہ تعالی فرماتے ہیں "والعصر ۙ ان الانسان لفی خسر ۙ الا الذین امنو و عملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر" .... (قسم ہے زمانے کی انسان بڑے خسارے میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق کی فہمائش کی

اور صبر کی نصیحت۔) .... بے شک جب انسان وعدہ الست کو فراموش کر دیتا ہے، مٹی کے مجسمے میں مقید روح سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور اپنی بدعملی اور بدکرداری کے تہ بہ تہ حجابات تان لیتا ہے تو دراصل وہ امانت میں خیانت کرتا ہے ۔ بخشے ہوئے خزانے کا بے اسراف ہی نہیں بلکہ غبن ہے ۔ فقیر اس دولت کی حفاظت کرتا ہے ۔ وہ خلوص اور ایمانداری سے اسے جائز مصرف میں لاتا ہے ۔ وہ زیان اور نفع کے راستوں کو الگ الگ پہچانتا ہے اور جانتا ہے کہ انسان میں ''خسارہ پن'' کیوں ہے اور کہاں ہے ۔ اسے پرکھنے کے لئے اس کے پاس نظر موجود ہے ؎

بڑا غبن فاحش ہے انسان میں
پرکھنے کو اس کے نظر شرط ہے

قرآن کہتا ہے ''اللہ یہدی من یشاء و یضل من یشاء'' .... اللہ ہادی بھی ہے اور مضل بھی ۔ جس نے ہدایت اور استقامت کا راستہ اختیار کیا وہ ہر مخلوق سے اعلی اور افضل ٹھرا مسجود ملائک ہوا اور نائب خدا کی حیثیت سے قیوم زمانہ بنا ۔ تمام صوفیانہ نظام حیات انسانی کی اس بھولی ہوئی حقیقت کو پانے کے لئے ہے ۔ اس سے حجابات اور تعنیات کے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور انسان پر اپنی حقیقت واضح ہو جاتی ہے ؎

حجاب رخ یار تھے آپ ہی ہم
کھلی آنکھ جب کوئی پردہ نہ دیکھا

انسان اپنا حجاب آپ ہے ۔ غفلت کی وجہ سے اس کا آئینہ دل زنگار آلودہ ہو جاتا ہے اور گناہوں کی بنا پر اس کا قلب غلاف میں آ جاتا

ہے جس کی بنا پر وہ اپنی اصلیت جاننے اور حقیقت پانے سے قاصر رہتا ہے اور ساری عمر اسی بے خبری میں گزار دیتا ہے ؎

خورشید قیامت کا سر پر تو اب آ پہنچا
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ہے

خدا کے قول فیصل کے مطابق ہر انسان فطرتاً نیکی پر پیدا کیا جاتا ہے۔ دوزخ یا جنت کا حق دار بننا اور نوری یا ناری ہونا اس کے اپنے اعمال پر موقوف ہے۔ جو انسان اپنی پیدائش کے مقصد سے سروکار نہیں رکھتا وہ بیابان ضلالت میں کھو جاتا ہے اور اس کی آنکھ اس وقت کھلتی ہے جب فرشتہ موت اس کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے۔ اس وقت اسے افسوس ہوتا ہے اور وہ بے بسی کے عالم میں کہتا ہے ؎

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے

ایسا انسان "مقصود خلق" نہیں ہو سکتا بلکہ "وہ ننگ خلق" ہے

یا رب مقصود خلق کیا میں ہی تھا
ایسا تحفہ جہاں میں یا میں ہی تھا
کچھ کام ظہور میں نہ آیا مجھ سے
بس تجھ کو یہ مجھ سے مدعا، میں ہی تھا

طوفان نوح نے تو ڈبوئی زمیں فقط
میں ننگ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

یہ اپنی اصلیت کو بھول جانے کا انجام ہے ورنہ انسان خلیفۃ الارض بھی ہے اور نائب خدا بھی۔ ہر مخلوق سے اعلیٰ و افضل بھی ہے اور

نیابت الٰہی کا حق دار بھی ۔ اگر اسے فرصت میسر آئے اور وہ اپنی اصلیت پانے کی کوشش کرے تو اسے معلوم ہو کہ اس میں الٰہی صفات موجود ھیں ۔ وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں اور قوتوں کو پہچاننے اور ان کو بروئےکار لانے سے اس مقام تک پہنچ سکتا ھے جہاں روح‌الامین کی بھی رسائی نہیں ؎

با وجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں یہ پہنچا کہ فرشتے کو بھی مقدور نہ تھا

نوع انساں کی بزرگی سے تک ایک
حضرت جبریل محرم ایک ھیں

بساط جہان پر انسان کی حیثیت 'شاہ' کی ھے جس کے بغیر ''بازی'' ناممکن ھے ۔ خدائی کے کھیل اسی کی ذات کے مرھون منت ھیں ۔ کائنات کی رونق اسی کی بدولت ھے ۔ اپنے خالق کی طرح تخلیقی جوھر اس میں بھی ھیں ۔ وہ اپنی قوت ایجاد سے ناممکن کو ممکن بناتا ھے ؎

انساں کی ذات سے ھیں خدائی کے کھیل یاں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ھی نہیں

اللہ تعالٰی فرماتے ھیں '' مں میں ایک مخفی خزانہ تھا اپنے ظہور کے لئے مں نے کائنات پیدا کی'' ۔ انسان اس کائنات کی ایک نادر تخلیق ھے۔ وہ خود اپنے اندر ایک جہان ھے ۔ اس ''مخفی خزانے'' کی ''آب و تاب'' اس کے ذریعے منعکس ھوتی ھے ؎

ھے عشق سے میرے ھی ترے حسن کا شہرہ
مں کچھ نہیں پر گرمی بازار ھوں تیرا

وہ مظہر خداوندی ہے ؎

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا

وہ بے شک ''آھن'' دکھائی دیتا ہے لیکن اصل میں ''آئینہ نما'' ہے۔ یہاں تک کہ اس کی ''کدورت'' بھی ''مظہر انوار صفا'' ہے ؎

ہے مظہر انوار صفا میری کدورت
ہر چند کہ آھن ہوں پہ آئینہ نما ہوں

یہ تصویر کا روشن رخ ہے مہر و ماہ سے زیادہ تابناك اور ستاروں سے زیادہ چمکدار ۔ اس کے خطوط و دوائر ''خودی'' کے مو قلم سے کھینچے ہوئے ھیں اور اس کے شوخ رنگ ''حقیقت شناسی'' کے رھین منت ھیں اس کا دوسرا رخ بڑا بھیانک ہے ۔ سیاہ ناگن سا تاریک اور زھر ناك ؎

ہر چند آئینہ ہوں پہ اتنا ہوں ناقبول
منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

یہ سیاھی 'انسانی غفلت' کی ہے ''عدم توجہی'' کے گہرے اور تاریک پردے ھماری نظروں کو روك لیتے ھیں ۔ ورنہ اس کے پیچھے محبوب اپنی پوری آرائش و زیبائش سے ذوق نگاہ کا منتظر ہے ؎

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں ✗

پردے اگر اٹھ سکیں ۔ اور بند آنکھ وا ھو جائے تو اس سٹیج پر ایک ''ناقابل فراموش تماشہ'' نظر آئے ؎

جوں خواب ہے وابستہ بغفلت یہ تماشا ✗
کھل جائے اگر آنکھ تو پھر کیا نظر آوے

صوفی کی تمام تر کوشش انہیں پردوں کو اٹھانے کے لئے ہوتی ہے - علی بن عثمان الہجویری نے اسی مناسبت سے اپنی ایک صوفیانہ تصنیف کا نام کشف‌المحجوب، رکھا ہے - درویشی کا مقام، حجابات ظاہری و باطنی اٹھ جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے - یوں سمجھئے کہ انسان دو ہیں ایک ''غبار ناقہ،، میں گم ہے اور دوسرا ''پردہ محمل،، کو اٹھا کر ''رخ یار،، کا تماشہ کر رہا ہے - منزل کی طرف رواں دونوں ہیں - لیکن فرق یہ ہے کہ ایک ذوق و شوق سے کشاں کشاں بڑھا چلا جا رہا ہے تو دوسرے کو زبردستی گھسیٹا جا رہا ہے - بقول مولانا روم اس کی ''رگڑیں،، اور ''خراشیں،، ہی اصل میں عذاب دوزخ، ہے ایک ''چراغ درون خانہ،، ہے تو دوسرا ''ایاغ سر راہ،،......ایک 'رونق انجمن، ہے تو دوسرا ''بھٹکا ہوا مسافر،،...... دونوں میں عمیق اور غائر مسافت ہے - لیکن اسے پاٹا بھی جا سکتا ہے - 'غبار راہ، 'شکوہ پرویزی، حاصل کر سکتا ہے - خلوص، وفا، اور ہمت شرط ہے - منزل کو جا لینا دور نہیں - 'طریقت، وہ صراط مستقیم ہے جو طالب کو مقصد سے ہم آغوش کر دیتا ہے - اور ''حیوان صفت انسان،، فرشتوں سے افضل ہو کر ''نائب خدا،، بن جاتا ہے -

یہ انسانیت کا نقطہ کمال اور راہ سلوک کا آخری مقام ہے جس کا آغاز اپنے دل میں اس مقام کے حصول کی طلب پیدا کرنے سے ہوتا ہے - صوفیانہ نظام میں اسے وادی طلب یا مقام مقاصد آفرینی کے نام سے معنون کیا جاتا ہے - طالب کو اس مقام پر دو اہم مشکلات پیش آتی ہیں اول سفر کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کرنا اور دوم راستہ کی صعوبتوں اور دشواریوں کا احساس - مال و دولت کی محبت، بیوی

بچوں کی الفت، احباب و اقربا کی چاہت، زر و جواہر کے انبار، اور دیگر دنیاوی تعلقات اور وابستگیاں اس کا دامن کھینچتی ہیں اور اسے ارادہ طلب سے باز رکھتی ہیں۔ کوئی جان دوستی اور مرگ ترسی کی بنا پر، کوئی اپنی ناتوانی اور گنہگاری کے احساس کی وجہ سے، اور کوئی شبخون نفس امارہ اور رہزنی ابلیس کے ڈر سے اس طرف رخ نہیں کرتا۔ بعض بکمال خود ستائی، لاف بلند ھمتی اور دعوی پاکبازی کے فریب میں مبتلا رہ کر اس طرف دھیان نہیں دیتے۔ غرض کہ شکستہ پائی کے ہزار سبب اور بہانے انسان کو مل جاتے ہیں ؎

گو سلامت ہوں میں ظاہر میں پہ دل کے خطرات
رات دن گھن کی طرح میرے تئیں کھاتے ہیں

ان تمام خطرات، وسواسات، اور جھوٹے علائق سے نجات حاصل کرنے کے لئے کچھ تو طالب خود کوشش کرتا ھے اور کچھ بیعت ہونے کے بعد کسی مرد کامل کے تدبر سے ان کا حل ڈھونڈتا ھے صوفیانہ نظام میں یہ مرد کامل پیر یا مرشد کہلاتا ھے۔ مرشد ایک واسطہ ھے عام انسان اور ذات خدا کے درمیان۔ اس کی وساطت سے خدا کا نور مرید کے دل کو روشن کرتا ھے۔ جس طرح بجلی گھر مین برق قوت تو ھر وقت موجود رھتی ھے لیکن بلب روشن کرنے کے لئے درمیانی فاصلہ کو کسی ذریعے سے ملانا ضروری ھوتا ھے۔ اسی طرح خدا کے نور سے دل منور کرنے کے لئے مرشد کا ھونا لازمی ھے بقول خواجہ فریدالدین عطار وہ ''مریدحضرت'' بھی ھے اور ''پیک غیب'' بھی

ع   ھم مرید حضرت و ھم پیک غیب

خواجه میر درد علم الکتاب میں کہتے ہیں کہ ظاهری علوم میں بھی استاد پکڑنا ضروری ہوتا ہے اور دعوی بلا سند ہر جگہ منظور نہیں کیا جاتا اسی طرح اللہ تعالی کی عادت یہ ہے کہ وہ زندہ سے زندہ کو فیض پہنچاتا ہے لیکن اس کے لئے انسان کا کامل ہونا شرط ہے،،

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ :

''ہر قدر کہ توانی، در صحبت انسان کامل مانی ۔ خدمت ایشاں را لازم گیری و بہ اعتقاد و خلوص، در صحبت بابرکت ایشاں حاضر باشی و از انانیت خویش بالکل خالی گشته متوجه بطرف باطن ایشاں شده امیدوار فیض بنشینی،،

علامہ اقبال بھی ہدایت کرتے ہیں ع

بوسه زن بر آستان کاملے

درد شاعرانہ استعارہ میں اس مرد کامل کو ''پیرمغاں،، کہتے ہیں ؎

زاهد اگر نہیں کی تونے کسو سے بیعت
پیر مغاں کے هاں کر دست سبو سے بیعت

مرد کامل کی صحبت میں ایک مرید، صفائی باطن کی جستجو کرتا ہے اس کے فیضان نگاہ سے آئینہ دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے اور ذات، اسما و صفات اسمیت اس میں جلوہ گر نظر آنے لگتی ہے ؎

خاموش ہو ترک گفتگو کر
باطن کے صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر
آئینہ دل کو رو برو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے

اس کے گوشہ چشم کی برکت سے ذرہ مین مہرو ماہ کی تابانی، قطرہ میں قلزم کی بے پایانی، اور خزف میں صدف کی آبرو آ جاتی ھے

کرے ھے کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعونکی
ھوئی آتش سی گل کے بیٹھتے رشک شرر شبنم

لیکن ضروری نہیں کہ وہ ھر مرید کو اس نگاہ کا مستحق سمجھے۔ اس راہ میں سیکڑوں راھرو ھیں ۔ منزل کو جا لینا ھر ایک کے بس کا روگ نہیں ۔ اس کے لئے چیتے کے جگر اور شاھین کے تجسّس کی ضرورت ھے ۔ یہ راستہ بڑا کٹھن اور جفا طلب ھے ع

راھرو آپ سے اس راہ میں گذر جاتا ھے

بیوقوف خدا کی محبت کو سہل جانتے ھیں ۔ اور ھر نیک و بد اس کے عشق کی ھوس کرتا ھے ۔ لیکن وہ پاک سینوں کے سوا کہیں پیدا نہیں ھو سکتا پیر کی نگاہ ژرف بین ایسا سینہ تلاش کرلیتی ھے ۔ دوسرے لوگ بھی فیض سے محروم نہین رھتے ۔ عاقبت ان کی بھی سدھر جاتی ھے لیکن فقر کا مقام خاص اھل دل ھی حاصل کرتے ھیں ؎

مگر ان بیوقوفوں نے محبت سہل جانی تد
ھوس کرتا ھے تیرے عشق کی ھر ایک نیک و بد

ولے یہ شعلہ سرکش تو یوں گرمی کرے ھے کد
بنازم چشم داغت را عجب بینائی دارد
بغیر از سینہ پاکاں ندیدم خوش کند جاے

اس نگاہ کے برمحل اور صحیح استعمال کا بھی ایک معیار اور اندازہ ھوتا ھے ۔ مرشد اپنے مریدوں کے لئے طرح طرح کے مجاھدات، ریاضت، عبادات، اوراد اور اشغال تجویز کرتا ھے ۔ اور اس طرح دھیرے

دھیرے ان کے قلب کی صفائی میں کوشاں رہتا ہے۔ اکثر مرید اس کی عائد کردہ پابندیوں، تجویز کئیے ہوئے راستوں اور مقرر شدہ حدوں کی بخوبی نگہداشت نہیں کر سکتے۔ وہ نفس کی سرکشیوں کا مقابلہ کرنے کی پوری ہمت اور طاقت نہیں رکھتے۔ بعض تو سفر کے آغاز میں ہی حوصلہ چھوڑ بیٹھتے ہیں اور بعض راستے کی صعوبتوں کی وجہ سے دل ہار جاتے ہیں۔ دیدار ذات کی منزل میں قدم رکھنے تک بے شمار مقامات مین سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان کو عبور کرنا لاکھوں میں سے کسی ایک کا کام ہے۔ وہ جو اپنی جان سے گذر چکا ہو ـــہ

کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں
جان سے اپنی جو کوئی کہ گذر جاتے ہین

ایسا مرد جو حصول مقصد میں۔ اپنی جان سے گزر سکتا ہو عبث تعلقات سے منہ موڑنے، بندھنوں کو توڑنے، اور خواھشات کو چھوڑنے میں ناقابل یقین حد تک جد و جہد کرتا ہے یہاں تک کہ اکثر موقعوں پر وہ ناکام بھی رہتا ہے اور گھبرا کر مایوس بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن صدق طلب کے جذبے کی بنا پر وہ جی نہیں ھارتا۔ بلکہ آرزو کو زندہ رکھتا ہے اور امید کے سہارے اپنی سعی کو تیز سے تیز تر کر دیتا ہے ـــہ

تو بھی اے پائے طلب ٹک تو بھلا خواب سے چونک
اپنی ھی نوع سے ھیں وہ جو پہنچ جانے ھیں

آرزو کو پائندگی اور استحکام عطا کرنے کے لئے تپش دل کی ضرورت ہے۔ اس راستہ کی یہ دوسری منزل ہے اور ''وادی عشق''

کہلاتی ہے۔ عشق سے راہرو میں شرار آرزو قائم رہتا ہے اور منزل کے حصول کی تڑپ شدت اختیار کر جاتی ہے وہ کنج مزار میں بھی ''آرمیدہ'' نہیں ہوتا اور خاک ہونے پر بھی شعلہ طلب کو فروزاں رکھتا ہے ؎

؎ اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی
خاک ہونے نے کیا ہر ذرہ گرم جستجو

؎ یہ چاہتی ہے تو تپش دل کہ بعد مرگ
کنج مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

خواجہ فرید الدین عطار **تذکرۃ الاولیاء** میں کہتے ہیں کہ ''عشق اس آگ کا نام ہے۔ جو عاشق کے سینے میں جلتی رہتی ہے اور جو خدا کے سوا ہر چیز کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے''——

عشق کی دو انواع ہیں ایک مجازی اور دوسری حقیقی۔ اول الذکر، صورت و تمثال اور ''خلط و خون'' کا عشق ہے اور ثانی الذکر، ذات مطلق کا، جو غیر مرئی اور نا محسوس ہے۔ حسن رخسار ''دمے ہست و دمے دیگر نیست''۔ حسن ذات کو ''دوامی ہست'' ہے۔ اسے زوال و نقصان نہیں۔ صوفیائے کرام نے ''عشق مجازی'' کو شرمندگی کہا ہے ہاں صرف ان لوگوں کو اس کی اجازت ہے جن میں راست ذات کی محبت پیدا نہ ہو سکے۔ ان کے لئے بھی یہ مقصود بالذات نہیں بلکہ عشق حقیقی حاصل کرنے کی پیش مشقی یا زینہ ہے۔ یہ ایک ذریعہ ہے دل کو تپش آشنا کرنے اور بعد میں ارادۃً اور جبراً اسے محبوب مجازی سے پھیر کر خدا سے لگانے کا۔ بعض حالات میں تبدیلی بلا طلب بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ پیہم ناکامی

مسلسل وداع اور بھیانک ناامیدی سے ایک عاشق اپنا ''قبلہ'' خود بخود بدل لیتا ھے ۔ اس صورت میں تو مجازی عشق ''احسن'' ھے ورنہ ''اخرب''........

صوفیانہ مجازی عشق بھی عام دنیاوی عشق سے بہت حد تک ممیز ھے ۔ اس میں لمس جنسی، خواھش نفسانی، اور غلبہ شہوانی کا شائبہ تک نہیں ھوتا ۔ یہ ''عشق برائے عشق'' ھے ۔ عشق برائے صورت نہیں ۔ اس میں صرف دل کی چاہ کو دخل ھے ۔ ھوا و ھوس کو راہ نہیں ؎

ھر چند فسق میں تو ھزاروں ھین لذتیں
لیکن عجب مزا ھے فقط دل کی چاہ کا

مردان صفا کا عشق مجازی بہشت کی مانند پاک و رنگیں، آئینہ کی طرح صاف و شفاف اور شبنم سے مشابہہ لطیف و تابدار ھے ۔ وہ ایک واسطہ ھے کسی دوسری منزل کے لئے لیکن خود منزل نہیں ؎

سو رنگ سے ھیں جلوہ نما گو بتان خلق
اپنا ترے سوا کوئی دلخواہ ھی نہیں

نہ زلف بتاں کا گرفتار میں ھوں
نہ بیمار چشموں کا بیمار میں ھوں

خالص عشق مجازی اوّل 'سرور' اور آخر 'قصور' ھے ۔ عشق حق اوّل و آخر 'سرور' ھے ۔ مجازی کا آغاز 'دلبری' اور انجام 'قاھری' ھے ۔ حقیقیت سر بسر 'دلنوازی' ھے 'سودا' دونوں ھیں لیکن خدا کا عشق ''خوش سودا'' ھے وہ جنون با شعور' ھے ۔ انسان کی نخوت و

ناموس کی دوا اور جملہ علتوں کا طبیب ہے۔ وہ 'افلاطون' بھی ہے اور 'جالینوس' بھی۔ صدق خلیل بھی ہے اور صبر ایوب بھی۔ معرکہ بدر وحنین میں بھی جلوہ گر ہے اور کربلا کے میدان میں بھی۔ اگر شوکت سنجر و سلیم اس کا جلال ہے تو فقیر جنید و بایزید جمال۔ اس کی حیثیت پہلو دارانہ ہے۔ اس کا ہر گوشہ ضیا پاش ہے اور ایک مخصوص عالم کو منور کرتا ہے۔ وہ سارے عالم پر چھایا ہوا ہے۔ ہر طرف اسی کی کار فرمائیاں ہیں۔

عشق کا جنسی مفہوم صوفی کے ذہن سے خارج ہے عشق اس کے نزدیک ایک ایسا نور ہے جو عالم کے رگ و پے مین جاری و ساری ہے اور جس کا بہرہ وافر انسانی دل کو نصیب ہوا ہے۔ کائنات میں زندگی جہاں بھی انگڑائی لیتی ہے۔ وہاں عشق موجود ہے۔ عشق ایک ایسی قوت ہے جو ہر جگہ عمل اور حرکت کو بیدار رکھتی ہے۔ یہ فرہنگ کو صیقل کرتا ہے۔ سنگ کو جوہر آئینہ بخشتا ہے۔ نا ارجمند کو ارجمند بناتا ہے۔ ہنرمند کو یدبیضا عطا کرتا ہے۔ سنگ و خشت سے نغمے کھینچتا ہے۔ 'آفریدن' اور 'جاں دمیدن' اس کا کام ہے۔ حرکت و عمل اس کے جوہر ہیں۔ اگر عشق نہ ہوتا تو زندگی ماتم اور اس کے کارو بار زشت و نامحکم ہوتے ؎

پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے
اس آگ سے سوختہ جگر ہے

ہر سنگ میں دیکھو تو شرر ہے

عقل بھی جامد نہیں۔ اپنا راستہ یہ بھی بناتی ہے۔ لیکن سست گام و نرم رو ہے۔ حیلے بہانے سے قدم اٹھاتی ہے۔ پیچاک علل میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ عشق میں جرأت رندانہ اور ذوق عمل ہے

وہ آتش نمرود میں خلیلؑ بن کر کود پڑتا ہے۔ حسینؓ کے بھیس میں باطل سے ٹکر لیتا ہے ۔ کبھی کالی کملی اوڑھ کر غار حرا کی خلوتوں میں جا بیٹھتا ہے اور کبھی مولا علیؓ خیبر شکن بن کر للکارتا ہے ۔ گاہے شمع یتیم پر پروانہ بن کر آتا ہے اور گاہے احد میں خون دوستاں سے ہاتھ رنگتا ہے۔ وہ سالماتی ذروں کی طرح سارے خلا میں پھیلا ہوا ہے اور ساری فضا میں اس کی برق لہریں موجود ہیں ۔

یہ عشق یا وجدانی قوت روحانیت کے سفر میں انسان کی دستگیری اور رہنمائی کرتی ہے۔ سالک اس راستے میں عقل محض کا سہارا نہیں ڈھونڈتا بلکہ دل اور اس کے لطائف پر بھروسہ کرتا ہے ۔ وہ ذہن کی بجائے ''جنون باشعور'' سے مدد لیتا ہے اور ہوش و خرد کا تار و پود بکھیر کر لیلائے مقصد کا نظارہ کرتا ہے۔ کانٹ نے اپنے مقالے ''عقل محض کی تنقید'' میں کہا ہے کہ عقل محض ہر چیز کی کنہ کو نہیں پا سکتی برگسان نے اسی لئے انکشاف حقائق میں صرف وجدان کو خضر راہ بنایا ہے ۔ درد بھی راہ طریقت میں عقل محض کی نفی کر دیتے ہیں ۔ عقل ان کے نزدیک ایک بےحقیقت شے ہے اور احکام عقل میں بند رہنا ایک نوع کی حماقت ہے ؎

باہر نہ آ سکی تو قید خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

بند احکام عقل میں رہنا
یہ بھی اک نوع کی حماقت ہے

جس مسند عزّت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گذر ہووے تعقّل کے قدم کا

وہ خالص عشق کے سہارے آگے بڑھتے ہیں ۔ عقل پیچاکِ علل میں گم رہتی ہے ۔ عشق میدان عمل کا چوگان باز ہے ۔ وہ ایک طالب کو کشاں کشاں لئے جاتا ہے ۔ عشق کی اس قوت کا مسکن صرف انسانی دل ہے اسی لئے صوفیوں کے نظام فکر اور ضابطہ عمل میں دل کو بہت اہمیت حاصل ہے ؎

آئے تم کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
اور ہی مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

عام انسان کے لئے دل گوشت کا لوتھڑا ہے ۔ اور شاعر کے تخیل میں خون کا قطرہ ۔ خواجہ میر درد خود ایک جگہ کہتے ہیں ؎

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

یہاں درد بحثیت شاعر ہمارے سامنے ہیں لیکن صوفیوں کے نزدیک وہ ایسا نقطہ ہے کہ جس پر تمام اسماء و صفات کا محیط گردش کرتا ہے ۔ حکماء جسے ''حواس ششم'' (Sixth Sense) کہتے ہیں ۔ صوفی اسے دل کی قوت بتاتے ہیں اور اسے ایک ''جذبہ لطیف'' مانتے ہیں ۔ سید عبدالکریم الجیلیؒ اپنی مشہور تصنیف انسان کامل میں فرماتے ہیں کہ ''اگر تو یہ کہے کہ وہ نور ازلی بڑی شان والا ہے جو موجودات کی آنکھوں میں اتر آیا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے ذریعہ سے انسان کی طرف دیکھے اور اس کو کتاب میں لفظ ''روح اللہ'' کے ساتھ، جو آدم کی روح میں پھونکی گئی تھی، تعبیر کرے جیسا کہ کہا گیا ہے ''و نفخت فیہ من روحی'' اور اس نور کا نام ''قلب'' ہے جس کی

ایک چمک تمام مخلوقات اور تمام موجودات کا خلاصہ ہے ۔ اس واسطے اس کا یہ نام رکھا گیا ۔ اسلئے کہ کسی چیز کے قلب کو اس کا خلاصہ کہتے ہیں،،۔

جس نقطہ پر اسماء و صفات کا محیط گردش کرتا ہے الجیلی اسے ''الہم،، کا نام دیتے ہیں ۔ اس کی قلب میں کوئی مخصوص جہت نہیں ہے بلکہ کبھی اوپر ہوتا ہے اور کبھی نیچے ۔ بعض آدمیوں کا ''ہم،، ہمیشہ اوپر ہوتا ہے جیسے عارفین کا ۔ اور بعض کا ہمیشہ الٹی جانب ہوتا ہے اور وہ نفس کی جگہ ہے ۔ اس کا محل الٹی پسلی میں ہے اور صرف باطل لوگوں سے مخصوص ہے ۔ ان میں سوائے نفس کے کچھ ہوتا ہی نہیں ۔

صوفی چونکہ معرفت آگاہ ہوتا ہے اس لئے اس کا قلب ایک عارف کا قلب ہے ۔ ''انوار ذات،، کی تجلیات سے منور ہے۔ ایسے قلب پر دونوں جہاں کے احوال ہویدا ہو جاتے ہیں جیسا کہ درد کہتے ہیں ع

احوال دو عالم ہیں مرے دل پہ ہویدا

عارف کا دل خدا کے پیغام لاتا ہے ۔ پیغمبروں کے دل جن پر الہامات صادقہ اور وحی نازل ہوتی ہے ایسے ہی دل کی انتہائی ترقی یافتہ صورت ہے ؎

قاصد نہیں یہ کام تیرا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

جس دل میں معرفت نہ ہو صوفی اسے دل ہی نہیں مانتے ؎

کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں بو نہ ہو
کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

دل میں جب تک ذوق و شوق ، معرفت کی چنگاری، محبت الہی کی گرمی اور عشق حقیقی کی تپش ہے، وہ دل ہے اور اگر ان صفات سے محروم ہے تو بقول اقبال ''گل،، اور ''سل،، کے برابر ہے ؎

دل از ذوق تپش دل بود ورنہ
چو یک دم از تپش افتاد گل شد

میر درد بھی اس حقیقت کو پا چکے تھے۔ ان کا دل بھی اسی بھٹی میں کباب ہو چکا تھا ؎

اے آتش عشق جس کو ہم یاں
دل سمجھے تھے سو کباب نکلا

مولانا جامی کے متعلق مشہور ہے کہ رسول کریمؐ کے روضہ اطہر پر پہنچ کر جب آتش شوق شعلہ اور بھبوکا بن کر ان کو بھسم کرتی تو ان کے جسم سے بھنے ہوئے گوشت کی بو آتی ۔ یہ بات بعید از عقل تو ہو سکتی ہے لیکن بعید از عشق نہیں ۔ ایسا دل تصّوف کی اصطلاح میں ''اهل قلب،، کا اور عام دل ''اهل سلب،، کا دل کہلاتا ہے۔ حضرت سلطان باھو 'عین الفقر' میں کہتے ہیں کہ اهل قلب کا دل ذکر اللہ سے پر نور ہوتا ہے اور 'زندہ دل' کہلاتا ہے اور اهل سلب کا دل ذکر اللہ سے مسلوب ہوتا ہے اور 'مردہ دل' کہلاتا ہے ۔ درد بھی دل کی اس تفریق سے آشنا تھے ۔ وہ بھی دل کی دو قسمیں کرتے ہیں اور ان کو ''دل مردہ،، پر افسوس آتا ہے ؎

ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے بھی تو کیا
چشم بیدار تو ہے پر دل بیدار نہیں

گرچہ ہم مردہ دل اے جان جہاں جیتے ہیں
تجھ بن اےواے جو سمجھے تو کہاں جیتے ہیں

انسان غفلت کی وجہ سے دل کی اصلیت سے آگہ نہیں ورنہ ـہ

شیشہ جو بغل میں ہے اسی میں تو پری ہے

اس شیشہ کی ''پری'' کوئی معمولی ہستی نہیں ۔ بقول اقبال یہ ایسا معشوق ہے جس کے عاشق بھی ''خوباں'' سے خوب تر ہیں ـــہ

هست معشوقے نهاں اندر دلت
گر نظر داری بیا بنمائمت
عاشقان او ز خوباں خوب‌تر
دلبر و زیباتر و محبوب‌تر

یہ محبوب ذات مطلق ہے جو اپنی لامحدود وسعتوں کے با وصف سمٹ کر دل میں سما گئی ہے ـــہ

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ھی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

کیونکہ ''بظاھر ذات خلق اور ذات حق میں کلی غیریت اور بدیہی ضدیت نظر آتی ہے ۔ اس لئے یہ بات عجیب سی معلوم ھوتی ہے لیکن اس ظاھری تضاد کے باوجود ان میں ایک گونا معیت اور اقربیت موجود ہے ۔ انسان کے لئے صورت و شکل ہے ۔ حد و مقدار اور تعین و تغیر ہے لیکن حق تعالی ان اعتبارات سے پاك اور منزہ ہے ھماری ذات میں عدم ہے اور حق تعالی کی ذات میں وجود ہے ۔ ھم میں صفات عدمیہ ھیں اور حق تعالی میں صفات وجودیہ ۔ حق تعالی میں فعل ہے اور ھم میں تخلیق فعل نہیں اس کے باوجود حق تعالی کی چیزیں

هم میں ثابت ہوتی ہیں مثلاً وجود و انا ، صفات و افعال، ملک و حکومت وغیرہ ۔ اسی معیت اور اقربیت کو تصوف کی اصطلاح میں ''عینیت'' کہتے ہیں '' ؎

ماہیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا
اعیان ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا

تصوف اس نظری تناقض کو رفع کرتا ہے ۔ میر ولی‌الدین ''قرآن اور تصوف'' میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''ایسے تمام اعتبارات انسان میں پائے ضرور جاتے ہیں فرق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے لئے کامل و مطلق و قدیم ہیں اور ہمارے لئے ناقص و مقید و حادث'' ۔

صوفی کو اپنے فقر کے امتیاز سے خود بخود اس امانت کا امتیاز بھی حاصل ہو جاتا ہے اور وہ جاننے لگتا ہے کہ اس میں وجود و انا، صفات و افعال اور مالکیت و حاکمیت ''من حیث الامانت'' پائے جاتے ہیں لہذا صوفی حق تعالیٰ ہی کے وجود سے موجود ہوتا ہے ۔ انسان کے اسی بلند مقام نے اسے خلافت ارض، نیابت الہٰی، اور سجدہ ملائک کا حق دار بنایا ۔ اور اس کا یہ امتیاز صرف دل اور اس کی پوشیدہ طاقتوں کے جاننے اور ان کو بروئے کار لانے میں مضمر ہے ؎

نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجود خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے کوئی سمجھے ہے بت خانہ

دل کو گداز کرنا اور اسے کندن بنانا کیمیاگر کی اکسیر سے بہتر ہے ؎

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہے کیمیا سے دل کا گداز کرنا

علم و دانش، فضل و ہنر، اور عقل و خرد، کسی میں 'کنہ ذات' کو پانے کی ہمت نہیں اس کا شعور صرف انسانی دل کو بخشا گیا ہے ؎

نہ یاں علم و دانش نہ فضل و ہنر
فقط ایک دل ہے کہ آگاہ ہے

یہاں یہ غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہیے کہ شاید صوفیاء کے نزدیک علم اور عقل بیکار اشیاء ہیں ۔ اور ایک صوفی علم اور عقل سے بیگانہ ہوتا ہے ۔ ایسا ہرگز نہیں ۔ عقل اور علم زیور شرافت اور زینت انسانیت ہیں ۔ لیکن کنہ حقیقت معلوم کرنے کے سلسلے میں کلیۃً ان پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا ۔ کائنات اور اس کے حقائق کے ادراك کی حد تک تو یہ ٹھیک ہیں لیکن اس سے آگے یہ بیکار ہیں ۔ یہاں کسی اور علم اور قوت کی ضرورت ہے ۔ یہ علم تصوف کا علم ہے اور یہ قوت وجدان یا عشق کی قوت ہے ۔

جو لوگ دل کی پوشیدہ قوت کا راز معلوم کر کے، ادراك حقیقت میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ اگر پہلے عالم و فاضل نہ بھی ہوں تو خداوند کریم ان پر علم لدنی کا باب کھول دیتا ہے ۔ وہی علم لدنی جو حضرت خضر علیہ‌السلام کو عطا ہوا ہے ۔ اور جس کی بنا پر انہوں نے حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل‌القدر پیغمبر سے کہہ دیا تھا کہ آپ صبر کے ساتھ میری رفاقت نہ کر سکیں گے ۔ ایک سچا صوفی اسی لئے ظاہر و باطن دونوں کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے ۔ جہاں علمائے ظواہر صرف شریعت یا خارجی مباحث پر عبور رکھتے ہیں ۔ صوفی طریقت یا باطنی حقیقت سے بھی آشنا ہوتا ہے ۔ اس لئے ایک صوفی کو ایک عالم ظاہر پر فوقیت حاصل ہے ۔ صرف نظریات، بحث و تمحیص اور قیل و قال سے دنیا تو درست ہو سکتی ہے ۔ لیکن دین اور عاقبت

نہیں ۔ علم و حکمت تو نظری چیزیں ھیں ''خبر'' کے لئے ان پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا ۔ یہاں قیل و قال کی بجائے ذوق و حال کا ہونا ضروری ھے ؎

گو بحث کر کے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اٹھا غلاف اگر تو اٹھا سکے

خواجہ میر درد اسی بنا پر اپنی ایک تصنیف نالہ درد میں کہتے ھیں:

''کہ علم آنست کہ مصلح علم بود و دافع کسل نہ آنکہ بحث و جدل فزاید و در امور دینیہ خلل نماید''........

علم کے لحاظ سے قرآن نے سورہ واقعہ میں دو جماعتیں قرار دی ھیں ۔ جو لوگ علم ھدایت کے پیرو ھیں وہ قرآن کی اصطلاح میں ''اصحاب یمین'' کہلاتے ھیں ۔ یہ علم اللہ کا علم ھے جو دین میں ملتا ھے ۔ اور جو علم ضلالی کا دم بھرتے ھیں انہیں قرآن نے ''اصحاب شمال'' کا نام دیا ھے ۔ یہ علم نفس کا علم ھے جس کو ''ھوی'' سے تعبیر کیا جاتا ھے ۔ اول الذکر طبقہ کے لئے نیک انجام کی بشارت دی گئی ھے اور موخرالذکر کو ھلاکت و فلاکت کی خبر سنائی گئی ھے ۔

علم کی مدح و ذم کرتے وقت صوفیا اس تفریق کو پیش نظر رکھتے ھیں ۔ ورنہ صحیح علم کے متعلق تو شیخ علی بن عثمان الہجویری کا قول ھے کہ طبع انسانی کے لئے آگ پر چلنا راہ علم پر چلنے سے آسان ھے اور ایک جاھل کے لئے پل صراط پر ھزار بار گزرنا اس سے آسان ھے کہ علم کا ایک مسئلہ حل کرے ۔ خواجہ میر درد ایسے ''علم ھدایت'' کو ''علم معرفت'' سے کم وقعت نہیں دیتے ۔ ''اصحاب یمین'' اور

"اهل عرفان"، دونوں ان کے نزدیک ایک ھی منزل کی طرف رواں ھیں گو راستے الگ الگ ھیں ؎

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہو
درد منزل ایک تھی ٹک راہ ھی کا پھیر تھا

لیکن جس شیخ کے علم، جس عالم کے عمل، اور جس زاھد کی عبادت میں خلوص اور صحت نہیں بلکہ ریا اور دکھلاوا ھے وہ جاھل مطلق، بےعمل، اور نافرمان سے بھی بدتر ھے ایک صوفی دوئی کو خواہ وہ کسی شکل میں ھی کیوں نہ ہو برداشت نہیں کر سکتا ۔ وہ توحید و وحدت کا پرستار ھے اس لئے ظاھر و باطن کے تضاد کا مخالف ؎

ہو گیا مہماں سرائے کثرت موھوم آہ
وہ دل خالی جو تیرا خاص خلوت خانہ تھا

عشق خدا کا دعویٰ کرنے اور راہ طریقت پر گامزن ہونے سے پہلے شریعت کے احکام پر عمل اشد ضروری ھے ۔ البتہ ایک خالص اھل علم اور اھل دل کا ان سے سلوک (Treatment) بہت حد تک مختلف ہوگا ۔ عالم محض ان کے صرف ظاھری خد و خال سے تعلق رکھے گا ۔ وہ ان پر عمل پیرا تو ہوگا لیکن ان کی پوشیدہ گہرائیوں، قوتوں اور رموز کو جاننے کی کوشش نہیں کرے گا ۔ اس کے بر عکس طالب فقر ان کی خارجی اور داخلی دونوں کیفیتوں سے فیض‌یاب ہوگا ۔ وہ ان کے رنگ روپ سے ھی نہیں بلکہ ان کی بو باس سے بھی متاثر ہوگا ۔ میر درد کے الفاظ میں وہ صرف "ملاّ" ھی نہیں بلکہ "عارف" بھی ہوگا ؎

رباعی

اے کردہ خراب عمر در چون و چرا
عارف نشدی اگرچہ گشتی ملاّ
از ما بجز اقبال نہ بینی گاھے
ھر چند کہ ایراد نمائی بر ما
(درد)

عارف شریعت کے ظاھر و باطن دونوں پہلوؤں سے واقف ھے۔ لیکن وہ داخلی پہلو پر زیادہ زور دیتا ھے۔ اسلئے کہ اس کے بغیر احکام خداوندی کی صحیح روح سے آشنا ھونا ناممکن ھے۔ اھل دنیا عموماً چیزوں کے ظاھری اور سطحی رخ کو دیکھتے ھیں ۔ وہ نگاہ خارا شگاف نہیں رکھتے کہ جس سے اندرونی اسرار کا تماشہ کر سکیں ۔

اھل دنیا کہ سوے ظاھر نگرند
از باطن خود پردہ غفلت ندرند
شب ھا در پاس مال زندہ دارند
در گور بجز مردہ دلیھا نبرند
(درد)

ان اسرار کو صرف دل درویش ھی جانتا ھے ع

اسرار خدا از دل درویش بپرس

علم یا شریعت سے ھمیں یہ واقفیت حاصل ھوتی ھے کہ توحید، خدا کو ایک جاننے اور ماننے کو کہتے ھیں اور کلمہ طیبہ پر اس کی اساس ھے ۔ اور ''لا الہ الا اللہ'' کا صرف زبان سے اقرار کافی نہیں بلکہ قلب سے بھی اس کی تصدیق ضروری ھے ۔ لیکن نفس پر قابو پا کر دل کو تصدیق توحید کے لئے آمادہ کرنا کوئی معمولی فعل نہیں ۔ توحید

خدا کے سوا ہر چیز کی نفی کر دینے کا نام ہے ۔ دنیوی علائق ، نفسانی خواہشات، ذہنی توہمات، قلبی تشکیک، دلی تذبذب، حرص زر، آز دنیا ، افعال ناجائز، خوف پادشاہ، طلب حرام، پیروی ابلیس اور ہر قسم کی مکروہات کو چھوڑ دینے کے بعد ہی کہیں اثبات توحید ممکن ہے ۔ یہ بات تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس سے پیدا ہو سکتی ہے جو کہ تصوف کا مسلک ہے ۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ ''بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک جسم ہو جائے ۔ یعنی وہ اس کی وحدانیت کی حقیقت کو پا لینے کی وجہ سے فانی ہو جائے ۔،، مراد یہ ہے کہ موحد کو حق تعالیٰ کے اختیار میں کوئی اپنا اختیار نہ رہے اور اس کی وحدانیت میں اپنی ذات کی طرف نگاہ نہ ہو اس طرح قرب حق کے محل میں اس کا نفس فانی ہو جائے گا اس سے حق تعالی کے احکام اس پر جاری ہوں گے یہاں تک کو وہ ایسا ہو جائے گا جیسا روز ازل میں تھا ۔ کیونکہ بندہ جب اپنے اوصاف سے فانی ہوتا ہے تو ایک جوہر لطیف رہ جاتا ہے جیسا کہ شمس تبریزؒ نے کہا ہے ـــــہ

فنا اندر فنا بینی فنائیست
بقا اندر بقا دائم بقائیست

جب سالک اس بھید کو پا لیتا ہے تو اس پر ''یخرج الحي من المیت و یخرج المیت من الحي،،ـــــــیعنی مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ نکالنے کا راز منکشف ہو جاتا ہے ۔ اور اس کا دل ہر قسم کے خوف و خطر سے پاک ہو جاتا ہے ۔ دوئی اٹھ جاتی ہے اور کثرت نمائی باقی نہیں رہتی ۔ خدا کی موجودگی کا احساس ہر وقت رہتا ہے اور اس کے اسما

و صفات کے جملہ پہلو دل و نظر میں سمائے رہتے ہیں ؎

جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں سما رہا ہے از بس غرور تیرا

چھپے ہرگز نہ مثل بو وہ پردوں کے چھپانے سے
مزا پڑتا ہے جس گل پیرہن کو بےحجابی کا

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینے کے سامنے جب آ کے ہُو کریں

اس انداز زندگی سے جہاں کثرت نمائیاں مٹ جاتی ہیں اور ایک اور صرف ایک ''گل پیرہن'' پیش نظر ہوتا ہے ۔ فقیرانہ بے نیازی۔ آزاد منشی اور صوفیانہ بیگانہ وشی کی صفات پیدا ہوتی ہیں اور مرد فقیر درگۂ میر و وزیر سے بے نیاز، ہر جگہ کو اپنا وطن اور ہر مقام کو اپنا گھر تصور کرتا ہے ؎

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
اے خانماں خراب ہے تیرا بھی گھر کہیں
کہنے لگا مکان معین فقیر کو
لازم ہے کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں
درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست
تو نے سنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں

توکل، قناعت، حلم، بردباری، ایثار، خلوص جیسی صفات ''درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست''........... ہی کے عقیدے کا لازمی نتیجہ ہیں اسی لئے علمائے تصوف نے طریقت اور اخلاق

کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے ان کے خیال میں تصوف اگر ایک طرف باطنی نظام ہے تو دوسری طرف اخلاق ضابطہ بھی ہے - صاف نیتی، پاك طینتی اور شفاف قلبی کے لئے جہاں ایک صوفی کو مجاھدہ و ریاضت کی ضرورت ہے وھاں کچھ ظاھری آداب و مراعات کی پابندی بھی لازمی ہے - ان کا یہ خارجی مسلک مثالی بھی ہے اور منفرد بھی - وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اطہر کو اپنے لیے نمونہ بناتے ھیں اور ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرتے ھیں - خواجہ میر درد کے کلام میں اخلاق کے اہم بنیادی حقائق مل جاتے ھیں -

ابوالحسن نوریؒ فرماتے ھیں ''لیس التصوف رسوما و لا علوما و لکنہ اخلاق،، (تصوف صرف رسوم و علوم نہیں بلکہ وہ تو اخلاق ھیں - تصوف کی اگر رسمیں ھوتیں تو مجاھدہ سے اور اگر کچھ علم ھوتے تو تعلیم سے حاصل ھو جاتے - لیکن وہ تو صرف اخلاق و آداب ھیں - ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ ''التصوف حسن الخلق،، (تصوف نیک خلق ہے) اور اس کی تین حیثیتیں ھیں - اول نیک برتاؤ اللہ کے ساتھ جو اس کے احکام بغیر ریا کے ادا کرنے سے حاصل ھوتا ہے - دوم نیک برتاؤ خلقت کے ساتھ جو بزرگوں کی حرمت، چھوٹوں پر شفقت، برابر کے لوگوں سے انصاف، اور خلق خدا کے ساتھ بلاامتیاز رواداری کرنے سے حاصل ھوتا ہے - سوم نیک برتاؤ اپنے ساتھ جو خواھش نفس کی متابعت نہ کرنے سے حاصل ھوتا ہے - اور نیک خلق وہ ہے جو اپنے آپ کو ان تینوں باتوں میں درست کر لے - حضرت ابو علی قزوینیؒ کہتے ھیں کہ ''التصوف ھو اخلاق الرّضیہ،،

(تصوف پسندیدہ اخلاق کو کہتے ہیں) اور اخلاق و افعال پسندیدہ یہ ہیں کہ بندہ تمام حالات میں خدا تعالی سے خوش رہے اور اسی کی رضا پر راضی ہو ؎

نہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواهش کہ شاہی ہو
الٰہی ہو وہی کچھ جو کہ مرضی الٰہی ہو

اس طرح اسے جمعیت دل میسّر آ جاتی ہے ؎

رباعی :-

از حرص گر آستیں فشاند دل ما
چوں شہ چہ عجب کہ حکم راند دل ما
اے درد ہزار سلطنت مفت بود
جمیعت اربہم رساند دل ما

اخلاقی مسائل باقاعدہ اور مربوط علم کی شکل میں تو **درد** کے کلام میں نہیں ملتے - البتہ بکھرے ہوئے اشارے موجود ہیں - اپنے آپ سے عدل، دوستوں سے برتاؤ، انسان سے بحیثیت انسان سلوک، اور بعض دیگر اساسی اخلاقی باتوں کا ذکر ان کے ہاں مل جائے گا - نیکی و صداقت، توکل و قناعت، صبر و شکر، تسلیم و رضا، ضبط و حوصلہ، زندہ دلی و وسیع مشربی، رواداری و حسن سلوک، صلح کل و خوش صفاتی، فرض شناسی و احسان مندی اور اس نوع کے دوسرے حقائق و جذبات کا بیان بھی پایا جاتا ہے - حرص، ریا، فریب، تکبر، تشکیک، ظلم، سختی، دشمنی، حیلہ تراشی، مکر جوئی، گہنگاری، بے یقینی اور اسی قسم کی اور بہت سی خرابیوں سے بچنے کی ہدایت بھی کی گئی ہے ؎

حرص کرواتی ہے روبہ بازیاں سب ورنہ یاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا

همیشه فتح نصیبی همیں نصیب رهی
جو کچھ که اپچی هے جی میں سومار رکھتے هیں

رباعی :-

پیدا کرے هر چند تقدس بندا
مشکل هے که هو حرص سے دل برکندا
جنت میں بھی اکل و شرب سے کب هے نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی هوگا دهندا

نه هم کچھ آپ طلب نے تلاش کرتے هیں
جو کچھ که یاں هے مقدر معاش کرتے هیں

اگر جمیعت دل هے تجھے منظور قانع هو
که اهل حرص کے کب کام خاطر خواه هوتے هیں

رباعی :-

کب جس میں هو دنیا کی طلب بیٹھ سکے
جس دل میں هوس بھری هو کب بیٹھ سکے
تسکین شہود حق سے هوتی هے نصیب
اُٹھ جائے نظر سے خلق تب بیٹھ سکے

''شہود حق،، کا یه مقام جہاں سوائے حق کے کچھ نہیں رهنا صحیح توحید هے ۔ اور یه توحید محض ''لا اله الا الله،، کہنے سے پیدا نہیں هوتی بلکه اس کے لئے تصدیق قلبی کی ضرورت هے جس کا ثبوت مرد درویش اپنے عمل سے پیش کرتا هے ؎

جب سے توحید کا سبق پڑھتا هوں
هر حرف میں کتنے هی ورق پڑھتا هوں

اس علم کی انتہا سمجھنا آگے

اے درد ابھی تو نام حق پڑھتا ہوں

اس علم کی انتہا مقام الوہیت ہے جہاں پہنچ کر بندہ اس جسم خاکی کے ہوتے ہوئے بھی روح مجرد رہ جاتا ہے ۔ اور وہ ہر قسم کے علائق سے پاک ہو جاتا ہے ۔ صوفیا اسے طہارت باطنی کا نام بھی دیتے ہیں ۔ باطنی طہارت تصوف کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کا مفہوم ظاہری طہارت کو باطن کی طہارت کے موافق کرنا ہے ۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ جب انسان ہاتھ دھوئے تو چاہیے کہ دل کو بھی دنیا کی محبت سے دھو دے ۔ جب منہ میں پانی ڈالے تو اسے غیر کے ذکر سے خالی کر دے ۔ جب ناک صاف کرے تو خواہشات نفسانی کو اپنے اوپر حرام کر دے ۔ جب چہرہ دھوئے تو چاہیے کہ ہر قسم کی مرغوب نفسی سے اعراض کرے ۔ جب سر کا مسح کرے تو اپنے تمام امور کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے اور جب پاؤں دھوئے تو حکم الٰہی کی موافقت کے سوا کھڑا نہ ہو ؎

مثال عکس جو کوئی کہ پاک طینت ہیں

جہاں صفا ہے وہیں بود و باش رکھتے ہیں

یہ طہارت باطنی، جس کا ذکر حضرت مخدوم الہجویری نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں کیا ہے، توبہ کرنے اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے حاصل ہوتی ہے ۔ اسی لئے قرآن کریم میں آتا ہے کہ ''اے ایمان والو اللہ کی جانب توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ'' ——— ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے'' ——— بے شک توبہ کرنے

والوں کے عرق انفعال کے قطروں کو شان کریمی موتی سمجھ کر چن لیتی ہے ؎

روئے کو مرے وہ تولے ہے نظروں میں
اس گوہر اشک کی بھی رتّی چمکی

گناہ کا ذکر یا تو دلی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یا حسرت و ندامت کی بنا پر۔ جو شخص ارادہ سے معصیت کو یاد کرتا ہے گنہگار ہے اور جو پریشانی، شرم اور انفعال ظاہر کرتا ہے وہ تائب ہے۔ وہ خدا کی رحمت کا طلبگار اور اس کی بخشش کا امیدوار ہوتا ہے ؎

رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تری ادھر
یارب ہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا

ظاہر و باطن کی اس پاکیزگی کے بعد مرد فقیر عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حاتم اصم[۳] سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح ادا کرتے ہین انہوں نے جواب دیا کہ جب نماز کا وقت آ جاتا ہے تو میں ایک وضو ظاہر کا کرتا ہوں اور دوسرا باطن کا۔ پھر مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور مسجد بیت الحرام کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ مقام ابراھیم[۴] کو اپنے دونو ابرؤں کے سامنے رکھتا ہوں۔ بہشت کو دائیں اور دوزخ کو بائیں جانب سمجھتا ہوں صراط اپنے قدموں کے نیچے دیکھتا ہوں۔ فرشتہ ملک الموت کو اپنی پیٹھ کے پیچھے خیال کرتا ہوں۔ پھر نہایت عظمت کے ساتھ تکبیر پڑھتا ہوں۔ حرمت کے ساتھ قیام، ہیبت کے ساتھ قرأت، خاکساری سے رکوع، عاجزی سے سجود، حلم و وقار کے ساتھ قعود، اور شکر حق کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں،،۔

اهل طریقت کی نماز رسمی نہیں ہوتی۔ یہ ان کی معراج ہے۔ طالبان حق اللہ کی راہ میں ابتداً سے انتہا تک اسی کے ذریعے راستہ پاتے ہیں اور اس میں ان کے مقامات کشف ہوتے ہیں۔ عام لرگ نماز کے اس درجہ سے واقفیت نہیں رکھتے۔ وہ اسے بطور ایک فرض پورا کرتے ہیں لیکن اس کے اسرار و رموز کی کنہ اور کیفیات کی لذت کو نہیں جانتے اسلئے کہ ان کے باطن ان معنوں میں پاکیزہ نہیں ہوتے جن معنوں میں کہ ایک عارف کے۔ بقول مولانا رومؒ ؎

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ و خر
این چنیں تسبیح کے دارد اثر

عارف کا دل خدا کو اپنے میں سموئے ہوئے ہوتا ہے۔ جہاں خدا ہو وہاں غیر خدا کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ عارف کامل موحّد ہے۔ برخلاف اس کے زاہد محض کا دل بتوں کا گھر ہے ؎

جن کے سبب سے دیر کو تو نے کیا خراب
اے شیخ ان بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

عام نمازی شرک خفی کو دل سے نہیں نکال سکتے۔ اسی لیے ان کی عبادت روحانی مقاصد کے حصول میں ممد و معاون ثابت نہیں ہوتی ؎

زاہدا شرک خفی کی بھی خبر ٹک لینا
ساتھ ہر دانہ تسبیح کے زنّار بھی ہے

احادیث میں آیا ہے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تو آپ کے دل میں ایسا جوش ہوتا جیسا کہ کانسی کی اس دیگ میں جس کے نیچے آگ جلتی ہو۔ جب حضرت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز کا قصد کیا کرتے تو آپ کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے۔ آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس کے اٹھانے سے آسمان اور زمین نے انکار کر دیا تھا۔

قرآن کریم میں خداوند کریم ارشاد فرماتے ہیں ''واعبد ربک حتی یاتیک الیقین'' اپنے پروردگار کی عبادت کر جب تک کہ تجھے یقین آجائے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں اضافت اٹھ جاتی ہے۔ اور اس پر ''لا الہ الا اللہ'' کا مقام منکشف ہو جاتا ہے ؎

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دئے
پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دئے

نماز کے اس پہلو سے عارف کے سوا کوئی دوسرا آشنا نہیں ہے ؎

یاں کون آشنا ہے ترا کس کو تجھ سے ربط
کہنے کو یہ بھی لوگوں کے اک بات رہ گئی

نماز کی طرح روزہ سے مراد بھی صرف کھانے پینے سے رکے رہنا نہیں بلکہ صوفیاء کے نزدیک کل طریقت اس میں پوشیدہ ہے۔ ان کے نقطہ نظر سے ''پیٹ کو کھانے پینے سے، آنکھ کو نظر بد سے، کان کو غیبت کے سننے سے، زبان کو لغو اور بےہودہ بکواس سے اور جسم کو دنیا کی متابعت اور شریعت کی مخالفت سے محفوظ رکھنا روزے کا صحیح مفہوم ہے۔ اپنے سارے حواس کو احکام الٰہی کے مطابق بند رکھنا صحیح مجاہدہ ہے''۔ اسی لئے مولانا رومؒ نے کہا ہے کہ ؎

چشم بند و گوش بند و لب ببند
گر نہ بینی نور حق بر ما بخند

روزہ نفس کے لئے فروتنی اور دل کے لئے عاجزی کا باعث ہے کیونکہ بھوکے آدمی کا جسم پژمردہ اور دل گڑگڑانے والا ہوتا ہے جیسا کہ مولانا رومؒ نے کہا ہے کہ ؎

در جہاں گرچہ بسے گردیدہ ام
نم بہ چشم منعماں کم دیدہ ام

خواجہ میر درد اور ان کے خاندان کا فاقہ مشہور ہے۔ وہ مسلسل روزے کی حالت میں رہتے تھے۔ اس حالت میں جسم اگرچہ کمزور ہو جاتا ہے لیکن دل نور حاصل کرتا ہے۔ روح کو صفائی اور باطن کو لقائے حق نصیب ہوتا ہے۔ لیکن ''محض بھوک'' انسانی زیست کے منافی ہے اس کے ساتھ مجاہدہ شرط ہے۔ ''سیری با مشاہدہ'' ''گرسنگی بے مجاہدہ'' سے بہتر ہے۔ اگر سیر ہونے کے باوجود مشاہدہ حق حاصل ہو تو ایسے بھوکے رہنے سے بہتر ہے جس میں محض ریاضت ہو اور مشاہدہ حق نہ ہو سکے۔

گرسنگی کی سختیوں اور روزہ کی پابندیوں سے دیگر فوائد کے علاوہ ضبط، حلم، حوصلہ، قوت برداشت اور ثابت قدمی جیسی صفات انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ مصائب کو پامردی سے برداشت کرنے کا عادی بن جاتا ہے ؎

محنت و رنج و غم سے یاں درد نہ جی چرائیے
بار سبھی اٹھائیے جب تئیں سر ہے دوش ہے

اس کو شکم پروری اور تن آسانی سے غرض نہیں رہتی اس کی ''آسودہ تنی'' کے کچھ اور انداز ہو جاتے ہیں ؎

تن پروری خلق مبارک ہو انہیں یاں
جوں نقش قدم اور ہی آسودہ تنی ہے

وہ حواس خمسه کو اپنے تابع کر لیتا ہے۔ اور اس طرح ان کی ضروریات اور خواهشات کو قابو میں رکھتا ہے۔ بھوک، پیاس، نیند، آرام، لذت اور دیگر احساسات اس کے غلام ہو جاتے ہیں۔

زکوٰۃ بھی ایمان کے فرائض کے حکموں میں سے ہے۔ جس پر واجب ہو اسے اس سے روگردانی روا نہیں۔ مال کی طرح "مرتبه" کی زکوٰۃ بھی فرض ہے نبی کریم صلی اللہ علیه وسلم کی حدیث ہے "ان اللہ فرض علیکم زکوٰۃ جاهکم کما فرض علیکم زکوٰۃ مالکم" (اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے مرتبه کی زکوٰۃ فرض کی ہے جیسا کہ اس نے تم پر تمہارے مال کی زکوٰۃ فرض کی ہے) ایک دوسری حدیث ہے "ان لکل شی زکوٰۃ و زکوٰۃ الدار بیت الضیافه" (بلا شبه هر چیز کی زکوٰۃ ہے اور گھر کی زکوٰۃ مہمان خانه ہے) زکوٰۃ در اصل کسی نعمت کی جنس سے نعمت کا شکر ادا کرنا ہے۔ تندرستی بڑی بھاری نعمت ہے۔ اسکیے لئیے هر ایک عضو پر زکوٰۃ فرض ہے۔ عام طور پر جب انسان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو لوگ اسے جسم کی زکوٰۃ سمجھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے یه درست ہو لیکن ایک صوفی کے نزدیک اپنے تمام اعضا کو حدود اللہ میں رہتے ہوئے استعمال کرنا ان کو عبادت الٰہی میں مشغول رکھنا اور هر سانس کو اس غرض کے لئیے وقف کردینا ہی اصل میں زندگی، جسم، اور تندرستی کی زکوٰۃ ہے ؎

بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے درد
هر دم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

اسی طرح نعمت باطنی کی بھی زکوٰۃ ہے۔ باطنی انوار، واردات

اور فیوض کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ کثیر اور بےشمار ہیں ۔ اسلئے ان کی زکوٰۃ بےاندازہ شکر ادا کرنا ہے ۔ یہاں تک کہ اپنا آپ دے دینا فرض ہے بلکہ صوفیا کے نزدیک زکوٰۃ کا باطنی مفہوم ہی یہی ہے کہ بندہ اپنا آپ خدا کے حوالے کردے۔ جب تک سالک اپنے آپ کو نہ چھوڑے گا تب تک اگر وہ زاہد بھی ہے تو بمنزلہ قارون ہے ؎

جی میں ہے سیر عدم کیجئے گا
یک بیک خلق سے رم کیجئے گا

———

آپ سے ہم گذر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

حق کو پانے کے دو طریقے ہیں یا تو پہلے خدا کو پہچانا جائے اور پھر اپنی ذات کو اور یا اس سے برعکس ...... خودی سے خدا اور خدا سے خودی حاصل ہو سکتی ہے ۔ لیکن بہتر طریقہ خودی سے خدا تک پہنچنا ہی ہے ۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے خدا کو پا لیا ۔ زکوٰۃ ایک صوفی کے نزدیک اپنی ذات کو ذات خدا کا جزو سمجھتے ہوئے اسی کو دے دینا ہے ۔ اور اپنے آپ کو دے دینے سے مراد یہ ہے کہ سالک دنیا سے ہاتھ اٹھا لے ۔ ہر خواہش نفس کو چھوڑ دے ۔ ہر واجب الترک امر سے منہ موڑ لے ۔ یہی سبب ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”حب الدنیا راس کل خطیة و ترک الدنیا راس کل عبادة“ ۔ (دنیاوی محبت تمام خطاؤں کی اصل ہے اور دنیا کو چھوڑ دنیا تمام عبادتوں

کا سر ہے) خواجہ میر درد اسی لئے دنیا کو "فاحشہ" کہتے ہیں ؎

دنیا وہ فاحشہ ہے کسی سے نہیں بچی
دیکھا جسے تو اس کے یہ مردار ساتھ ہے

اس مقام پر سالک کا دل ہر آلائش سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور تفرقہ اور امتیاز کلیۃً مٹ جاتے ہیں ؎

تو اپنے ہاتھوں آپ ہی پڑتا ہے تفرقہ میں
اے امتیاز نادان ٹک امتیاز کرنا

دیکھا تو یہ شورش من و تو
ہنگامہ وصل جان و تن ہے

اور اس پر اس آیت کا مقام منکشف ہو جاتا ہے کہ :-

"انما اللہ الٰہ واحد لا الٰہ الا اللہ ہوالرحمٰن الرحیم"

(سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں اور وہ رحمٰن و رحیم ہے ؎

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

زکوٰۃ دینے سے سالک میں جود و سخا کی صفات پیدا ہوتی ہیں لالچ اور بخل کی جڑیں اکھڑ جاتی ہیں۔ اور وہ اس حقیقت کو پا لیتا ہے کہ حرص اور لالچ میں دل کی خرابی مضمر ہے ؎

ہے محال عقل زیر آسماں
حرص ہو جس دل میں وہ خرم رہے

موت کے بےرحم ہاتھوں ہر ذی نفس کا سانس رک جاتا ہے۔

بڑے بڑے نامور، پاک گھر اور رونق بزم عنقا کی طرح معدوم ہوگئے اور کسی کو ان کی منزل مقصود معلوم نہ ہوئی ؎

عنقا کی طرح جتنے تھے یاں نامور فلک
تونے خدا ہی جانے کہ کیدھر اڑا دئے

عالم میں جتنے پاک گھر تھے سو ایک ایک
اولے سے روزگار نے یونہی گھلا دئے

وہ مرچکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اٹھیے درد یاں سے کہ سب یار سوگئے

غور کرنے والے کے لئے اس میں عبرت کی بے پناہ اپیل موجود ہے جو دنیا سے گیا پھر اس طرف منہ نہ کیا۔ تو پھر اس بے ثبات شے اور اس کی بےحقیقت دولت پر قربان ہونا مردانگی نہیں۔ یہ سب ہنگامہ قبر تک ہے ع

پھر نہ میں ہوں نہ تو نہ یہ گلشن

صوفی حساس بھی ہوتا ہے اور حکیم بھی۔ سالک کے راستے کی یہ سب سے بڑی اور اولین مشکل ہے۔ دنیا سے ہاتھ اٹھانا، دولت کو حقیر جاننا اور مال کو سخی بن کر خرچ کرنا اسی کا کام ہے، جو مآل‌کار کو سمجھ چکا ہے ورنہ ان میں وہ جاذبیت، کشش اور قوت ہے کہ ان کے دام سے بچ نکلنا ناممکن ہے ؎

مآل‌کار سمجھایا قبور نے ہم کو
یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دفینے سے

جو زکوٰۃ کو اپنے اوپر فرض کر لیتا ہے۔ اس کے دل سے

دنیا اور دولت کی محبت اٹھ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہنگامی حالات میں فرض سے بھی آگے بڑھ کر اپنا سارا سرمایہ قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ ایک ایسے ہی موقع کا ذکر ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جو کچھ کہ ان کے پاس تھا سب راہ حق میں دے دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے پوچھا "ما خلفت لعیالک؟" (تو نے اپنے اہل و عیال کے لئے پیچھے کیا چھوڑا) تو انہوں نے عرض کیا "اللہ و رسولہ"۔ (اللہ اور اس کا رسولؐ) ؎

عاشق بیدل ترا یاں تک تو جی سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دم شمشیر تھا

حج کا شمار بھی عبادت میں ہوتا ہے، لیکن یہ ہر ایک پر فرض نہیں اس کا حکم صرف صاحب استطاعت کو ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "و للہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا" (بندوں پر اللہ کی طرف سے بیت اللہ کا حج فرض ہے جس کو اس تک پہنچنے کی استطاعت ہو)۔

حج کی بہت سی رسوم ہیں۔ اور ان کو مختلف جگہوں پر ادا کرنا ہوتا ہے۔ ہر مقام اور ہر رسم میں خدا کا ایک بھید ہے۔ اہل باطن ان کی حقیقت سے واقف ہیں۔ حج کو جانا ایک صوفی کے کے لئے دنیا سے خدا کی طرف جانا ہے۔ جہاں خدا ہے وہاں نمائش نہیں۔ مور و سلیماں ایک ہی رنگ میں نظر آتے ہیں ؎

اتنا نہ ہوا میں اڑ سلیماں
کچھ تخت سے کم نہیں پر مور

سب احرام باندھ کر ایک جیسے ہو جاتے ہیں۔

حج کے بھی دو پہلو ھیں ایک خارجی اور دوسرا داخلی۔ صوفی کے نزدیک حضرت ابراھیمؑ کے دو مقام ھیں ۔ ایک جسم کا اور دوسرا دل کا۔ آپ کے جسم کا مقام مکہ ھے اور آپ کے دل کا مقام ''خُلّت'' یعنی خالص محبت الٰہی ھے اس کا مطلب یہ ھے کہ اس کے نزدیک حج دو نوع کے ھیں جب تک دل کا حج نہ کیا جائے جسم کا حج رسم کہن کے سوا کچھ نہیں ؎

کعبہ کو بھی نہ جائیے دیر کو بھی نہ کیجے منہ
دل میں کسو کے درد یاں ھووے تو راہ کیجئے

محمد بن فضیلؒ فرماتے ھیں کہ ''مجھے اس بات کا تعجب آتا ھے کہ لوگ دنیا میں کعبۃاللہ کی زیارت تو کرتے ھیں لیکن مشاھدہ حق کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ اگر اس پتھر (سنگ اسود) کی زیارت فرض ھے کہ جس پر سال میں ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کی نظر ھوتی ھے تو وہ دل جس پر رات دن میں وہ تین سو ساٹھ بار (٣٦٠) نظر رحمت کرتا ھے اس کعبہ سے کہیں بڑھ کر زیارت کے لائق ھے ؎

نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجود خلائق ھے
کوئی کعبہ سمجھتا ھے کوئی سمجھے ھے بت خانہ

اھل دل کے لئے مکہ کے راستہ میں ھر قدم پر ایک نشان قدرت ھے۔ اور جب حرم میں پہنچتے ھیں تو ھر ایک سے خلعت پاتے ھیں ان کے نزدیک حج کا قصد دل کا اپنی مرغوبات سے اعراض کرنا دنیاوی لذتیں اور راحتیں ترک کرنا، اور اغیار کے ذکر سے منہ پھیرنا ھے۔ عالم کون و فساد اور اس کے متعلقات کی طرف التفات کرنا درست نہیں ؎

کبود چرخ دیکھا تو سواری کے نہیں قابل
مہ نو سے ھے پیدا عیب اس کی بد رکابی کا

''عرفات اسکے لئیے معرفت کا مقام ہے۔ اور مزولفہ الفت کا۔ حرم کا طواف تنزیہ حق تعالیٰ کا طواف ہے اور منٰی میں کنکریوں کا پھینکنا خواهش نفسانی اور فاسد خیالات کا دل سے نکال دینا ہے۔ اور قربانی کے لئیے نفس سے مجاهدہ لازمی ہے ذوالنون مصریؒ فرماتے هیں کہ میں نے ایک جوان دیکھا جو منٰی میں آرام سے بیٹھا تھا۔ حالانکہ سب لوگ قربانیوں میں مشغول تھے۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ کیا کرتا ہے اور کون ہے۔ اسی اثنا میں وہ کہنے لگا ''بار خدایا ! سب لوگ قربانیوں میں مشغول هیں میں بھی چاهتا هوں کہ اپنے نفس کو تیری بارگاہ میں قربان کروں۔ مجھے تو قبول فرما''۔ یہ بات کہی انگشت شہادت سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا اور نیچے گر پڑا جب میں نے غور سے دیکھا تو روح اس کے جسم سے پرواز کر گئی تھی'' ؎

جان سے هوگئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

پس صوفی کے نزدیک حج طواف کعبہ کی رسم هی نہیں بلکہ مشاهدہ حق کے لئیے مجاهدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے هیں ''من کان فی هذہ اعمیٰ فهو فی الآخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا'' (جو شخص دنیا میں اندها ہے وہ عاقبت میں بھی اندها هی رہے گا۔ بلکہ از روے راہ اور زیادہ گمراہ هوگا)۔

مشاهدہ سے مراد یہ ہے کہ انسان بلا کیف خداوند تعالیٰ کو اپنے دل کے آئینہ سے خلوت و جلوت میں دیکھے ؎

ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا

مشاهدہ کی حقیقت دو طرح پر ہے ایک تو صحیح یقین سے اور دوسرے محبت کے غلبہ سے۔ **محمد بن واسع** فرماتے ہیں کہ ''میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر اس میں صحیح یقین سے صرف اللہ کو دیکھا،،۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں سالک پر اس آیت قرآنی کا مفہوم منکشف ہو جاتا ہے

''فاینما تولوا فثم وجہ اللہ،،

(پس جس طرف تم رخ کرو اسی طرف اللہ تعالی کا چہرہ ہے) ؎

جوں نور نظر ترا تصور
تھا پیش نظر جدھر گئے ہم

ہم جانتے نہیں ہیں اے **درد** کیا ہے کعبہ
جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

اس کا جلوہ ہر طرف بکھرا ہوا ہے۔ شفق کی سرخی میں، چاند کی کرنوں میں، سورج کی ضیا میں، ستاروں کی روشنی میں وہ کہاں نہیں۔ وہ کوئل کی آواز بن کر پکارتا ہے۔ نرگس کی آنکھ سے تماشا کرتا ہے، پھول کی مسکراہٹ ہو کر دل لبھاتا ہے، پتھر میں شرر بن کر پوشیدہ ہے، اس کی نشانیاں ہر جگہ موجود ہیں۔ دن کے طلوع اور شب کی آمد میں، ہواؤں کے چلنے اور بادلوں کے تیرنے میں، بارشیں برسنے اور کھیتیاں اگنے میں، حیات کے دامن اور موت کے چنگل میں غرض کے کسی نہ کسی روپ میں ہر جگہ اس کا نور و ظہور ہے ؎

اے **درد** منسبط ہے ہر سو کمال اس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

درد کو ہر وجود میں ایک ہی ذات نظر آتی ہے وہ **ہیگل** کی طرح اس نظریے کو انتہا پر لے جاتے ہیں - پتی پتی اور رتی رتی میں، گلشن گلشن اور صحرا صحرا میں ہر جگہ ایک ہی ذات کا شہود ہے ؎

ہے جلوہ‌گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

وہ شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے - لیکن دیکھنے کے لئے آنکھ چاہیے جام جہاں نما سے مشابہ آنکھ ؎

تجھ کو نہیں ہے دیدہ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے آن کے ہر پیرہن کے بیچ

وہ عالم‌الغیوب بھی ہے اور دانائے جزو و کل بھی - وہ خانہ یقین کی آبادی ہے تو وادی گماں کی ویرانی - کفار کے لئے اگر اس کی قہاری و جبّاری رحمت ہے تو مؤمنین کے لئے غفاری و رحیمی- وہ ہر رنگ میں بستا ہے - ؎

اے زیور دست غیب ہر جا
انگشت نما ہے جوں نگیں تو
دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست
ہے گرمی بزم مہر و کین تو
ویرانی وادی گماں تو
آبادی خانہ یقین تو
ہیہات جہاں یہ کور چشماں
ڈھونڈیں ہیں تجھے تو ہے وہیں تو

کرتا ہے یہ کون دیدہ بازی
گر روشنی نظر نہیں تو
تو ہی تو ہے دل کی بے حجابی
ہے پردہ چشم سرمگیں تو
معشوق ہے تو ہی تو ہی عاشق
عذرا ہے کدھر کہاں ہے وامق

درد کے ہاتھ میں اسی بے نیاز کا دامن تھا ؎

جسکی جناب کے یہ سبھی ناز ہیں نیاز
دامن ہے ہاتھ میں مرے اس بے نیاز کا

جب سب کچھ وہی ہے تو اسی پر بھروسہ کرنا فرض ہے۔ اس کے سوا کسی سے ڈرنا، کسی سے مدد طلب کرنا، اور کسی کو مالک سمجھنا بندہ برحق کی شان کے شایاں نہیں ؎

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسہ ہے تو ہے تیرے کرم کا

رات کی تنہائی میں، دن کی رونق میں، آبادیوں کی گھما گھمی میں اور ویرانوں کی خاموشی میں وہ کہاں نہیں۔ گبر ہو یا ترسا، کافر ہو یا مسلمان، مرتد ہو یا دھریہ۔ کوئی مانے نہ مانے وہ ہر ایک کے دل میں بستا ہے ؎

کونسا دل ہے وہ کہ جس میں آہ
خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا

خدا کی توحید کا یہ نظریہ جو حکماء کی اصطلاح میں وجودی توحید کا نظریہ کہلاتا ہے، صوفیاء کے نزدیک خالص توحید ہے۔

علمائے ظواہر، چونکہ اس نظریے کی مخالفت کرتے ہیں اور خدا کو عرش و کرسی پر متمکن اور ہر چیز اور ہر شئے سے منزہ قرار دیتے ہیں ۔ اسلئے ان دو گروہوں میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے ۔ صوفی یہ سمجھتا ہے کہ توحید کے اس نظریے کے بغیر ایمان صحیح نہیں اور عالم ظاہر صوفی کے عقیدے کو کفر کے مترادف قرار دیتا ہے ۔ یہ نزاع فارسی اور اُردو شاعری کا اہم موضوع رہی ہے ۔ زاہدوں، عابدوں اور شیوخ کے مکر و ریا، اور فریب زہد کا تذکرہ صوفی شاعروں نے اسی لئے بار بار کیا ہے ۔ خواجہ میر درد کے کلام میں بھی اس موضوع پر بہت سے شعر موجود ہیں ۔ لیکن یہاں ان کا مقصد محض علمائے ظواہر اور زہاد کی پگڑی اچھالنا یا ان کی تحقیر کرنا نہیں بلکہ اپنے نظریہ توحید کی صحت اور ان کے عقیدہ خدا کی کمزوری کا احساس دلانا ہے ؎

ہماری اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد
جو کچھ ہے دل میں ترے ہم وہ فاش کرتے ہیں

خواجہ میر درد مغرور عابد اور ریاکار زاہد کو راہ راست پر لانا چاہتے ہیں وہ انہیں چھیڑنے میں مزا نہیں لیتے بلکہ ہدایت و رشد کا راستہ دکھاتے ہیں ۔ اور اس سلسلے میں ان کے کردار اور شخصیت کے دو بنیادی عیوب یعنی ریا اور غرور کا بار بار تذکرہ کر کے ان پر طنز کرتے ہیں ۔ یہ طنز محض زہر میں بجھا ہوا نشتر نہیں کہ جس سے جسم گل سڑ جائے بلکہ اپنے ساتھ مرہم اور دوا بھی رکھتا ہے تا کہ رگ بریدہ سے گندہ خون نکل جانے کے بعد صالح لہو کو بند بھی کیا جا سکے ؎

نہ رہ جائے کہیں تو زاہدا محروم رحمت سے
گنہگاروں میں سمجھا ہے گر اپنی بے گناہی کو

زاہد کیا کرے ہے وضو گو کہ روز و شب
چاہے کہ دل سے دھوئے کدورت نہ دھو سکا

زاہد کو ہم نے دیکھ لیا جوں نگیں بہ عکس
روشن ہوا ہے نام تو اس رو سیاہ کا

"ریاکار" زاہد کے برخلاف، ایک عارف، اپنی نیکی، خوش عملی اور عبادت پر فخر نہیں کرتا بلکہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی ہیچ میرزی اور منکسرالمزاجی کا اظہار کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جانْ بوجھکر اپنے لئے رسوائی اور ملامت مول لیتا ہے ۔ تا کہ لوگ اس سے متنفر ہوں اور اس طرح وہ عُجب و غرور میں پڑنے سے بچ جائے اور اس کے نفس کو سر کشی اور تکبر کا موقع نہ مل سکے ۔ صوفیاء میں اس قسم کا ایک مستقل طبقہ پیدا ہو گیا تھا جسے فرقہ ملامتیہ کہتے ہیں ۔ اس فرقہ کے امام شیخ ابو حمدون قصار تھے ــــہ

نام سنتا نہیں زاہد تیری حرست کا کوئی
شور ایسا ہے جہاں میں میری رسوائی کا

لیکن حقیقت میں وہ رسوا نہیں ہوتا ۔ اس کا باطن صاف ستھرا، اُجلا نکھرا، اور پاک و صاف ہوتا ہے ــــہ

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

بظاہر اس کے جامہ احرام پر دھبے ہی کیوں نہ ہوں ۔ لیکن اس کا سینہ اور دل کوثر و تسنیم کے پانی سے دھلے ہوئے ہوتے ہیں ۔ وہ

اپنے آپ کو شرابی بھی کہتا ہے اور کبابی بھی، صبح کو اس کا صراحی سے واسطہ ہے تو شام کو ساغر سے ؎

شب و روز اس طرح گذرے ہے اپنی تو نہ کچھ پوچھو
صراحی صبح کو گر ہاتھ ہے تو شام ہے شیشا

لیکن اس کی شراب و کباب کی نوعیت مختلف ہے ؎

خوں خالص خود خور کہ شرابے بہ ازیں نیست
دنداں بہ جگر نہ کہ کبابے بہ ازیں نیست

(اقبال)

وہ نشہ محبت کو شراب کے نشہ سے مشابہت دے کر، دل و جگر کے خون کو مئے رنگیں کہہ کر، محبوب حقیقی کو ساقی بنا کر، اور اس کی جلوہ گاہ کو میخانے کا نام دے کر اپنے کلام میں لذت اور چاشنی پیدا کرتا ہے ۔ وہ نہ صرف اپنے مشرب کو زاھد کے خشک ماحول پر ترجیح دیتا ہے بلکہ اسے بھی رندان بادہ پیما کے حلقہ میں شریک ہونے کی دعوت دیتا ہے ؎

ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاھدان شہر
اے درد آ کے بیعت دست سبو کریں

زاھد اگر نہیں کی تو نے کسو سے بیعت
پیر مغاں کے یاں کر دست سبو سے بیعت

غیر ملال زاھدا کیا ہے طریق زھد میں
دل ہو شگفتہ جس جگہ کوچہ ہے فروش ہے

شراب اور اس کے لوازمات کا ذکر بعض جگہ تو اتنے واضح اور عریاں

الفاظ میں ہوتا ہے کہ اگر ہم شاعر کی زندگی کے ذاتی حالات سے واقف نہ ہوں تو شاید سچ مچ ہی اسے شرابی سمجھنے لگیں ؂

اگرچہ دختر رز کے ہے محتسب درپے
جو ہو سو ہو یہ اسے اب تو یار رکھتے ہیں

لیکن یہ ''دختر رز،، ایسی ہے کہ جس کے حسن کو زوال اور شباب کو بڑھاپا نہیں ۔ جو سدا جوان ہے ۔ جس کی آنکھیں وہ نشہ پلاتی ہیں جو چڑھ کر نہ اتر سکے ؂

دے وہ شراب ساقی کہ تا روز رست خیز
جس کے نشے کا کام نہ پہنچے خمار تک

یہ خاصیت صرف شراب معرفت ہی میں پائی جاتی ہے ۔ خشک زہد میں یہ کیفیت کہاں ۔ اسی لئے **درد** کہتے ہیں ؂

کی بہت طریق زہد میں عمر تباہ
اب کیجئیے دل کو معرفت آگاہ

'معرفت آگہی' کے بعد اسی عبادت میں کیف اور سرور پیدا ہو جاتا ہے ۔ دونوں کی نوعیت کے علاوہ، مقصد میں بھی فرق ہے ۔ عارف کی عبادت خدا کی خوشنودی کے لئے ہے اور زاہد کی حور و غلمان کی خاطر ؂

نے یاں ہوائے آب ہے نے حرص نان کی
نے دہشت سقر نہ ہوس ہے جنان کی
زاہد یہ باتیں سب ہیں تیرے امتحان کی
فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی

خطرہ جو ہے سو آئینۂ دل پہ زنگ ہے

عارف کی عبادت میں ایک عجیب والہانہ انداز ہوتا ہے۔ وہی والہانہ انداز کہ جس سے مومن کی نماز کو معراج کہا جاتا ہے ۔ زاھد خشک کو یہ بات نصیب نہیں ؎

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جیدھر ملے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

یہ وہ مقام ہے جسے صوفیا کی اصطلاح میں معرفت کی وادی کہا جاتا ہے ۔ یہاں خداوند تعالی اپنے لطیف انوار کے ساتھ باطنوں پر جلوہ گر ہوتا ہے اور چشم بصیرت ہر جگہ اسی نور کا ظہور دیکھتی ہے ۔ یہ بڑی عجیب و غریب وادی ہے ۔ اس میں بے شمار راستے ہیں ایک سے دوسرا مختلف۔۔۔۔راہرو یہاں مختلف پگڈنڈیوں پر ہو لیتے ہیں ۔ اور اپنی اپنی استطاعت، ہمت اور کمال کے بموجب اس وادی کی سیر کرتے ہیں یہاں آفتاب معرفت نو نصف النہار پر چمکتا ہے لیکن ہر مقام اپنے محل وقوع کے اعتبار سے روشن ہے اس کی ہر شعاع صد ہزار اسرار لئے ہوئے ہے ۔ ان سب کو نگاہوں میں سمیٹنے کے لئے کسی جامع شخصیت، کامل ذات، اور شگرف جان کی ضرورت ہے وہ جو اپنے آپ سے گزر سکے ؎

پوچھ مت قافلہ عشق کدھر جاتا ہے
راہرو آپ سے اس راہ میں گذر جاتا ہے ۔

ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ ''جس نے اللہ تعالی کو پہچان لیا وہ دنیا سے الگ ہو گیا بلکہ دنیا کے متعلق کچھ بیان کرنے سے گونگا اور اپنے اوصاف سے خالی ہو گیا''

یہ استغنا کی منزل ہے ۔ راہ طریقت کی یہ چوتھی وادی ہے راہرو یہاں ہر چیز کی نفی کر دیتا ہے ۔ جیلانی، **فتوح الغیب** میں

فرماتے ھیں کہ ''ان حالات میں اس کی نظر میں تمام اسباب بے حقیقت ھو جاتے ھیں اور اسے انقطاع الی اللہ حاصل ھو جاتا ھے'' ۔

رباعی :-

آزادی معرفت میں اے درد کبھی
عقدہ نہ کیا قبول جی پر کوئی
کیوں اتنی اٹک رھی ھے اب قید حیات
یہ بھی جو گرہ سی ھے سو کھل جائے کبھی

اس مرحلہ پر بندہ تمام تعلقات سے آزاد روح مجرد رہ جاتا ھے اسے یقین شہودی حاصل ھو جاتا ھے کہ تمام موجودات میں فاعل حقیقی صرف خدائے تعالیٰ ھے ۔ اور ھر راحت و سکون، ھر خیر و شر ھر سود و زیاں، ھر عطا و بخل، ھر کشائش و بستگی، ھر موت و حیات، ھر عزت و ذلت، ھر کمال و زوال، ھر سود و زیاں، اور ھر توانگری و افلاس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ قادر مطلق ھی کی قدرت کا ایک ظہور ھے ؎

مت اٹکیو تو اس میں کہ مشہود کون ھے
ھر مرتبہ میں دیکھیئو موجود کون ھے
دونوں جگہ میں معنئی مولا ھے جلوہ گر
غافل ایاز کون ھے محمود کون ھے
تجھ پر کھلا ھے راز الیہ المصیر کا
ھر فعل میں تو سمجھیو مقصود کون ھے

وہ شاھنشہ ملک کفر و دیں بھی ھے اور تخت نشین دل نشیں بھی ویرانئ وادی گماں بھی اسی سے ھے اور آبادی خانہ یقین بھی ۔ وہ ھر

جگہ مانند نگیں انگشت نما ہے اور روشنی نظر بن کر دیدہ بازی کرتا ہے ؎

اے زیور دست غیب ہر جا
انگشت نما ہے جوں نگیں تو
دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست
ہے گرمی بزم مہر و کیں تو
ہیہات جہاں یہ کور چشماں
ڈھونڈیں ہیں تجھے تو ہے وہیں تو
کرتا ہے یہ کون دیدہ بازی
گر روشنی نظر نہیں تو
معشوق ہے تو ہی، تو ہی عاشق
عذرا ہے کدھر کہاں ہے وامق

کثرت میں وحدت جلوہ گر ہے ۔ گلستان کائنات کی بوقلمونیوں، باغ جہاں کی رنگا رنگیوں، چمن فطرت کی بہاروں، اور ہر ظاہر و پوشیدہ عالم کی وسعتوں میں ایک ''اکائی'' ہی سرایت کئے ہوئے ہے۔

رباعی :-

وحدت کہ ہمہ نور صفا می بارد
ناچار بخود ظہور کثرت آرد
موقوف تجلّیش بیک صورت نیست
روئے آئینہ در د روہا دارد

(درد)

کثرت سے وحدت میں خلل نہیں آ سکتا اس کی مثال یوں سمجھیے کہ جیسے جسم و جان تو دو ہیں لیکن آدمی ایک ہے ؎

ہووے کب وحدت سے کثرت میں خلل
جسم و جاں گو دو ہیں پر ہم ایک ہیں

جس طرح گل کے اوراق برہم اور عالم کے افراد متفرق، جمع میں ایک ہیں ۔ اسی طرح کثرت میں وحدت پوشیدہ ہے ــــہ

جمع میں افراد عالم ایک ہیں
گل کے سب اوراق برہم ایک ہیں

مسافر کو یہاں توحید باری کا عملی تیقن حاصل ہو جاتا ہے ۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ،، اقرار باللسان کی حد میں نہیں رہتا بلکہ اس کی تصدیق با القلب ہوتی ہے ۔ اسے وادی توحید کہتے ہیں جو راہ طریقت کی پانچویں بڑی منزل ہےــــہ

رباعی :-

اے درد سبھوں سے برملا کہتا ہوں
توحید نہ میں چھپا چھپا کہتا ہوں
ملّا کو بھی اس میں نہیں جائے انکار
بندہ بندہ، خدا خدا کہتا ہوں

توحید، ماسوی اللہ کی نفی کر کے خدا کے ''اثبات،، کا نام ہے ۔ خدا کا واحد ہونا اور اس کی وحدت کو صحیح طور پر جاننا حقیقی معنوں میں توحید ہے ۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں کہ ''تمہارا معبود بر حق معبود واحد ہے ،، نیز ارشاد کیا ہے کہ ''تم دو معبود اختیار نہ کرو وہ معبود بر حق تو اکیلا معبود ہے ،،

اس وادی میں ہمہ گیر ''یک رنگی،، پائی جاتی ہے ۔ کہیں فصل و وصل نہیں ۔ ہر ذرہ ایک دوسرے میں پیوست ہے ۔ تفریق

کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نظر نہیں آتی۔ ''امتیاز'' کی معمولی سی جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی۔ یہاں ''دوئی'' روا ھی نہیں رکھی گئی۔ جس ہستی کا یہ پرتو ھے۔ اس کی ذات و صفات میں کوئی قسیم اور افعال میں کوئی شریک نہیں۔ وہ بے چون و بے مثل ھے۔ یکہ و تنہا ھے۔ ''اس کی وحدانیت عددی نہیں۔ کہ دوسرے عدد کے ثابت کرنے سے دو ھو جائیں۔ وہ محدود نہیں کہ اس کی چھ طرفیں ھوں۔ اس کا مکان نہیں اور نہ وہ مکان کے اندر ھے تا کہ مکان کے ثابت کرنے کی حاجت ھو۔ وہ عرض بھی نہیں کہ جوھر کا محتاج ھو۔ اور وہ جوھر بھی نہیں کہ اس کا وجود اپنے جیسے کے سوا صحیح نہ ھو۔ وہ طبعی بھی نہیں کہ حرکت و سکون کا مبدأ ھو۔ وہ روح بھی نہیں کہ فنا کا محتاج ھو۔ اور جسم بھی نہیں کہ اجزائے مرکب ھو۔ وہ چیزوں کی جنس میں سے نہیں۔ کسی شے سے اس کا پیوند نہیں۔ وہ تمام نقائص سے بری، جملہ خرابیوں سے پاک اور سب عیوب سے بر تر ھے۔ اس کا کوئی مانند نہیں کہ وہ اپنے مانند کے ساتھ مل کر ''دو'' ھو سکے۔ اور نہ اس کی کوئی اولاد ھے کہ جو اس کے اصل کا اقتضا کرے۔ اس کی ذات و صفات پر تغیر روا نہیں۔ وہ ھمیشہ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ھے''۔ نہ وہ گرفت میں آ سکتا ھے اور نہ اس کا کوئی مقام معین کیا جا سکتا ھے لیکن اس کے ھونے کا احساس ھر وقت ھے ؎

مرا تو جی وھاں رھتا ھے نت جہاں تو ھے
اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہاں تو ھے

راھرو اس کی وحدانیت اور غیر متعین موجودگی کا یقین حاصل کر کے ھمہ تن اس کی طرف متوجہ ھو جاتا ھے ؎

جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں سما رہا ہے از بس غرور تیرا

جلوہ کی کثرت اسے حیران کر دیتی ہے - موسلٰی ایک تجلی صفات سے غش میں آ گئے تھے عین ذات کے روبرو ہونا تو ہوش و خرد کا کھونا ہے - وہ آئینہ وار حیران ہو جاتا ہے ـــہ

حیرانِ آئینہ وار ہیں ہم
کس سے یارب دوچار ہیں ہم

یہ حیرت کی منزل ہے - جسے فریدالدین عطار نے وادی حیرت کا نام دیا ہے۔ یہاں حسن پوری رعنائی و زیبائی سے جلوہ گر ہے اس کی ہر جھلک میں ہزار شیوہ و کرشمہ اور ہر ادا میں صد ہزار ناز و فریب مخفی ہیں - وہ راہزن تمکین و ہوش ہے اور شبخون زنندہ عقل و خرد - جلووں کے ازدحام سے راہرو حیران و ششدر رہ جاتا ہے - تحیّر و مستی کے عالم میں اسے کچھ سوجھائی نہیں دیتا - وہ ہمیشہ کی حیرانی خرید لیتا ہے اسے دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی - اپنے آپ کا ہوش نہیں ہوتا - یہاں تک کہ اس پر سودا اور جنوں کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے - لوگ دیوانہ سمجھتے ہیں - لیکن حقیقت میں اس کی ''دیوانگی،، دماغی یا اعصابی بیماری کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ وہ ''جمال یار،، کے بے پناہ اور عریاں جلووں سے مدھوش ہوتا ہے - اسے ''دیوانہ،، سے زیادہ ''حیران،، کہنا درست ہوگا - اسی لئے تصوف کی اصطلاح میں مجذوب کہلاتا ہے - ''باؤلا پن،، کا تو اس میں شائبہ تک نہیں ہوتا البتہ اس پر جذب کی کیفیت طاری رہتی ہے -

چونکہ یہ راہ طریقت کی آخری منزل نہیں اسلئے مسافر اوسان

خطا ہونے پر بھی حواس مجتمع کرتا ہے ۔ اور مرد کامل یعنی مرشد کی بالغ نظری، راہبری، اور دست گیری سے اور آگے بڑھتا ہے ۔ اور اس مقام کو جا لیتا ہے کہ جہاں عین وصال میں بھی ضبط کا دامن نہیں چھوٹتا ـــــہ

گرچہ وہ خورشید رو نت ہے میرے سامنے
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

تحیر کا مرحلہ راہ طریقت کا آخری زینہ تو ہو سکتا ہے لیکن آخری مقام نہیں ۔ یہ ''دیدار،، کی منزل نہیں بلکہ ''باب دیدار،، ہے ـــــہ

رباعی :-

خواہی کہ شوی دوچار با جلوہ یار
دل صاف کن و مدّ نظر ہیچ مدار
رَو پیشہ خود ساز تحیر اے درد
چوں آئینہ حیرت است باب دیدار

(درد)

مجذوب ''آستان دیدار،، سے آشنا ہے ۔ ''درون خانہ،، سے کلی واقفیت نہیں رکھتا ۔ ''ہنگامہ ہائے پس پردہ،، جاننے کے لئے آگے قدم بڑھانے کی ضرورت ہے ـــــہ

آئینہ دل کو رو برو کر
حیرت میں وصال آرزو کر

''حیرت،، اور ''وصال،، کا درمیانی فاصلہ طویل بھی ہے اور مشکل ترین بھی ۔ بعض راہرو مقام حیرت سے نہیں نکل سکتے ۔ وہ ہمیشہ مجذوب رہتے ہیں لیکن اکثر سفر کو جاری رکھتے ہیں ۔ اور ایک ایسے

میدان میں پہنچ جاتے ہیں جو بے پایاں اور بے کنار بھی ہے اور خطرناک و دشوار گزار بھی - راہرو جب تک اس میدان کی آخری حدود سے آشنا نہیں ہوتا فقر کے صحیح مقام کو نہیں پا سکتا اس کی سرحد پر ایک 'سدا بہار' وادی ہے - راہرو کی یہ آخری منزل ہے جہاں ''دیدار ذات،، عام ہے ع

دیدار نصیب ہر نظر ہے

اس منزل کو حاصل کرنے سے پہلے اس وسیع میدان کو عبور کرنا ضروری ہے - جس کی ایک سرحد پر وادی حیرت ہے اور دوسری پر منزل دیدار . . . اس میدان کو صوفی وادی فقر و فنا کہتے ہیں یہاں حیرت و استعجاب کا عالم ختم ہو جاتا ہے - راہرو اب مجذوب نہیں سالک ہے - وہ ''خود رفتگی،، سے ''بخود،، آ چکا ہے ؎

درد کی طرح وہ ہو جاتے ہیں کچھ اور کے اور
تیرے خود رفتگاں از بس کہ بخود آتے ہیں

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے ہاں ہے وہی ہمیشہ رہنے والا ہے،، - ایک دوسری جگہ ارشاد کیا ہے کہ ''جو کچھ زمین پر ہے وہ فانی ہے اور صرف تیرے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی جو بڑی شان اور بزرگی والا ہے،،

صوفی کی ساری جد و جہد اسی ''ہوالموجود،، کو اپنے میں جذب کرنے یا خود اس میں جذب ہونے کے لئے ہوتی ہے - اس لئے کہ قطرہ دریا میں مل جانے یا اسے اپنے میں ملا لینے سے خود دریا ہو جاتا ہے - یہ زندگی کی بقا کا بھید ہے - جو اس سے ناآشنا ہیں

وہ زندگی کی حقیقت سے بے خبر ہیں ۔ سراب کو سمندر سمجھنا کہاں کی دانشمندی ہے ۔ صاحب بصیرت وہ ہے جو سراب کی حقیقت کو سمجھ کر اصل سمندر کو پا چکا ہے صوفیا اس عمل کو فنا فی‌البقا کے نام سے تعبیر کرتے ہیں ۔ کم علم اس فنا سے ترک وجود یا ترک دنیا مراد لے لیتے ہیں اور اس مفروضہ پر تصوف اور صوفی کو زندگی سے گریزاں، دنیا کا تارک اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہ دیتے ہیں ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے حق و باطل کو جس طرح اس نے سمجھا ہے دوسروں نے نہیں ۔

اہل طریقت فنا کا لفظ لغوی معنوں میں استعمال نہیں کرتے۔ اس سے ان کی مراد اپنی ذات کو فنا اور ہستی کو نیست و نابود کرنا نہیں۔ جو ایسا کرتا ہے وہ شیخ مخدوم علی ہجویری کے بقول بے دین ہے اور نصاریٰ کا مذہب رکھتا ہے ۔ صوفیائے کرام کی تصانیف میں فنا کا لفظ بطور اصطلاح رائج ہے ۔ جس سے ان کی مراد اسما حسنی یا صفات خداوندی کو اپنے میں اس طرح سمو لینے سے ہے کہ جس سے ان کی اپنی تمام سفلی ادنیٰ اور نفسانی صفات مٹ جائیں اور ان کی جگہ صفات ذات مطلق کا ان میں ظہور ہو جائے ۔ اس عمل کو وہ ''فنافی‌البقا،، یا ''موتوا قبل انت موتوا،، کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ جو انسان کی صفاتی قلب ہیئت کا نام ہے جسم کی فنا کا نہیں ۔ یہ عمل انسان کو حیوانی، سفلی، اور ناسوتی ماحول سے نکال کر انسانیت کے اعلی مقام پر فائز کر دیتا ہے ۔ بات یہ ہے کہ ''جب بندہ حق تعالی کی وحدانیت کا اقرار کر لیتا ہے تو اپنے آپ کو اس کے حکم سے مغلوب اور مقہور دیکھتا ہے ۔ اور مغلوب غالب کے غلبہ میں فانی ہوتا ہے ۔ وہ اپنی ذات سے تو قائم و دائم ہوتا ہے لیکن

ان تمام چیزوں کی نفی کر دیتا ہے جو 'دیدار ذات، کے راستہ میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں اس طرح وہ ایک جوہر لطیف اور روح مجرد باقی رہ جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں ہو سکتی ہے کہ جو چیز آگ میں پڑ جائے وہ اس کے غلبہ سے اسی کی صفت پر ہو جاتی ہے پس جب آگ کا غلبہ ایک چیز کے وصف کو اس کے اندر تبدیل کر سکتا ہے تو حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ صفت کی تبدیلی کے لئے آگ کے غلبہ سے بہت بہتر ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ آگ کا تصرف صرف لوہے کے اوصاف تبدیل کرنے میں ہوتا ہے لیکن لوہے کی ذات جوں کی توں رہتی ہے۔ اسی طرح بندہ جب اپنے اوصاف سے فانی ہو جاتا ہے تو کامل بقا کو حاصل کرلیتا ہے۔ یہاں تک کہ نہ اس کو قرب و بعد رہتا ہے اور نہ وحشت و انس۔ نہ صحو و سکر کا ڈر ہوتا ہے اور نہ فراق و وصال کا۔ نہ نام و علم سے غرض ہوتی ہے اور نہ نشان و نقش سے۔ وہ مجاہدہ کی تکلیف سے چھوٹ کر مقامات کی پابندی اور احوال کے تغیر سے نکل جاتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے کہ جہاں راہرو حصول مقصد کی طلب میں مقصود پر پہنچ چکا ہے۔ دعویٰ سے بیزار ہوکر معنی سے الگ ہوگیا ہے۔ کرامتیں اس کے لئے حجاب ہوگئی ہیں۔ مشاہدات حاصل ہوگئے ہیں۔ وہ سب دیکھنے کی چیزیں دیکھ چکا ہے۔ سب سننے کی چیزیں سن چکا ہے۔ سب دل کے جاننے کے لائق امور جان چکا ہے اور باطن کے پانے کے لائق چیزیں پا چکا ہے وہ احوال آفت کا لباس پہن کر عین مراد میں مراد سے بے مراد ہوگیا ہے،،۔

حضرت ابو سعید فراز فرماتے ہیں کہ ''فنا سے مراد بندہ کا اپنی بندگی کو دیکھنے سے فانی ہو جاتا ہے اور بقا سے مراد اس کا مشاہدہ

الٰہی سے باقی رہنا ہے،،۔ حضرت ابراھیم ابن شیبانیؒ کا قول ہے کہ ''فنا و بقا کے جاننے کا دارو مدار خالص وحدانیت اور صحیح عبودیت پر ہے اور جو کچھ اس کے سوا ہے وہ مغالطہ اور بے دینی ہے،،

''فنا بندہ کو جلال الٰہی کے دیکھنے اور دل پر اس کی عظمت ظاہر ہونے سے ہوتی ہے تاکہ غلبہ عظمت سے دنیا اور عقبیٰ اس کے دل سے فراموش ہو جائیں۔ اس کی نظر ہمت میں سب احوال حقیر معلوم ہوں۔ کرامات کا ظہور اس کے حال میں ہیچ محض ہو جائے۔ وہ عقل، نفس اور فنا (یعنی موت) تینوں سے فانی ہو جائے اور عین اس فنا کے اندر اس کی زبان حق کے ساتھ ناطق ہو۔ اور اس کا دل اور جسم خضوع و خشوع کرنے والے ہوں،،۔ یہ ''موتوا قبل انت موتوا،، کا مقام ہے۔ فقرا مرنے سے پہلے مرجانا اسے ہی کہتے ہیں ؎

موت کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مرجاتے ہیں

درد کے کلام میں فنا کا جہاں بھی ذکر موجود ہے اسی صوفیانہ اصطلاح کے طور پر ہے۔ اپنی ذات یا زندگی کی فنا مراد نہیں ؎

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انہیں طرحوں میں ہم ہر دم فنا فی‌اللہ ہوتے ہیں

کیا کہیں سوئے فنا کس طور پر جاتے ہیں ہم
شمع کی مانند سر کے بل ادھر جاتے ہیں ہم

ہم وحشیوں کے دل میں کچھ اور ہی امنگ ہے
وحشت بھری ہے اور ہی اور ہی ترنگ ہے
ان گم شدوں کے آگے تو عنقا بھی دنگ ہے
اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی میری چھاتی پہ سنگ ہے

فنافی اللہ ہوجانے کے بعد دل ہرقید سے آزاد ہو جاتا ہے ــــہ

دل کو سب قیدوں سے اس وقت میں آزادی ہے
مرچکے اب نہ ہمیں غم ہے نہ کچھ شادی ہے

ایسے مرجانے میں بڑے مزے اور آسائشیں ہیں ــــہ

جو مزے ہیں مرگ میں سو ہم سے پوچھا چاہیے
کون جانے آہ کیا لذت ہے مر جانے کے بیچ

''یہ مرگ،، زندگی کو زیر نہیں کرتی بلکہ اسے رواں دواں رکھتی ہے

ــہ کیا ہوا مرگئے آرام ہے دشوار ہنوز
جی میں تڑپے ہے پڑی حسرت دیدار ہنوز
ــہ ہے بعد مرگ بھی وہی آہ و فغاں ہنوز
لگتی نہیں ہے تا لو سے میری زباں ہنوز

اس رمز سے صرف وہی آشنا ہیں جو وادی فنا میں پہنچ کر بچشم خود مشاہدات کر چکے ہیں ــــہ

آگاہ اس جہاں سے نہیں غیر بیخوداں
جاگا وہی ادھر سے جو مُوند آنکھ سو گیا

سالک راہ جب اس ''صوفیانہ فنا،، سے ''دوامی بقا،، حاصل کر لیتا ہے ۔ تو تمام حجابات ظاہری و باطنی اٹھ جاتے ہیں ۔ اب نہ

جلووں کی فراوانی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اور نہ خدشہ فراق سے دل سہمتا ہے۔ وہ جی بھر کر نظارہ جمال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ایسا مرحلہ آتا ہے کہ 'من و تو' کی تفریق باقی نہیں رہتی۔ یہ بھید بڑا نازک ہے۔ اسے عام کرنا سولی پر چڑھنا ہے۔ منصور نے 'انا الحق' اسی مقام پر کہا تھا۔ یہاں بڑے حوصلے اور ضبط کی ضرورت ہے۔ لبوں پر مہر سکوت ہو تو بچنا ممکن ہے۔ ورنہ اہل ظاہر کفر کا فتوی دیں گے سرمد کی طرح شہید کریں گے۔ شمس کی مانند بدن سے کھال کھینچیں گے۔ اور منصور کی طرح دار پر لٹکائیں گے۔ رباعی

اے درد اگرچہ مے میں ہے جوش و خروش
رہتے ہیں ولے اہل تامل خاموش
موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں
گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش

The concept of the Finality of Prophethood is based on the fact, that man has finally evolved to perfect proportions, mentally and physically. His mind became capable of reception of the final commands of Almighty, after which no more commands would be received. The final word of the Lord is self-contained for all times having been issued at a time when man had become physically and mentally fully evolved. To say, that there would be future revelations and prophets, is to admit that man has not yet completely evolved ; and that the Holy Word which was revealed upon the last of the prophets (OWBP) is not complete in every respect to suit the spiritual and physical requirements of human society. The Holy Quran, indeed is the last Word and the Holy Prophet of Islam, Muhammad (OWBP) is the last in the line of prophets and is their Seal.

To say that the spirituality of Muhammad (OWBP) is, "imperfect if it is not creative of another prophet", is to belie the culmination of mental and spiritual evolution which saw its end in the Holy Prophet of Islam (OWBP). It is ambiguous to think that a person can attain in his spiritual exercises a kind of experience which is characteristic of the prophetic conciousness. The mind of man can now proceed no further than where it was sealed in its final evolution, and that too can only be attained by walking in the footsteps of the Seal of the Prophets ; Muhammad (OWBP).

Says the Holy Quran ; " It is We who have revealed this Quran upon you ; and We are its protectors ".

انا نحن نزلنا الذكر و انا له لحافظون

In the case of the previous Scriptures God Almighty had not taken upon Himself to safeguard the Scriptures, but He had entrusted this responsibility to the learned amongst the people. It was not the intention of the Almighty to preserve them for all times, as they were not permanent instructions, and the mind was still evolving. Permanent instructions were to be revealed later in the Holy Quran when the human mind was to have completely assumed its mature form, and these instructions were to hold good for all time. The evolution of the human mind having reached its culmination was perfected. Man had now reached the stage of physical and mental perfection. Prophethood was thus sealed forever.

Some scholars are under the impression that the evolution of mind is still in its infancy, because of the inventions man is making every day which to them appears to point to a necessity of evolution ! It must be appreciated that inventions are not a measure of the mental development of man. Inventions are really the creation of forms which are continuations and elaborations of pre-existing ideas. They are an accummulative phenomenon which progresses through the ages on a single idea of man. Anything that the human mind is capable of concieving he is capable of creating. It is only a matter of time and duration which he takes to evolve. The only thing man cannot concieve is God Almighty Himself ; for, if he were able to do that, he would be limiting God in time and space, which is an impossibility. The only thing man can concieve about God Almighty is His Attributes, but not His Personality or Essence. Attribubtes are discernable from sensible objects which extend in time and space. But the Essence of God Almighty cannot be thus limited to time and space. It was because of this that man faltered while searching to locate His Personality. He discovered only His Attributes which he symbolised, but could not create the like of Him ; for, He is unlike anything from amongst His creation. He is unlike anything that can be concieved by the mind of man. It must also be understood that this duration which I have just mentioned above with regard to inventions is merely a continuation of the progress which the human mind makes. It gnaws into the future, and swells as it advances.

not make any such request to convince himself of the Omnipotence of the Almighty Lord. He had experienced all the Attributes. His status in the spiritual field was much higher than his predecessors. Instead of his asking for any such vision, he himself was ushered into the Divine presence. The mind had undergone its full evolution, and was now prepared for the reception of the Ultimate Grace. Says the Holy Quran ;

ثم دنا فتدلٰى ○ فكان قاب قوسين او ادنٰى○

"Then he approached, and came closer. And was at a distance of but two bow lengths, or even closer". (LIII : 8 & 9). From now onwards revelations which had been indirect became direct, as there were more details to be given for the general guidance of mankind, regarding the finer aspects of life. Even the very pronunciation of the Holy Writ was clarified before the closing down of a revelation. Human mind had now reached the peak of its development. Listen to the Holy Quran, what it says ; "This day have I perfected your Religion, for you ; completed my favours upon you, and have chosen for you ISLAM as your DIN (Religion)". (V : 4)

اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتى و رضيت لكم الاسلام ديناط

This perfection was a mental perfection of Mankind. It was not the perfection of any one instinct of the human mind, but the perfection of all the instincts of the human mind, as expressed in the word DIN (دين). This word as opposed to the word Religion represents the whole man. The word Religion on the other hand merely expresses the sense of an indeology which is only a one sided view of the human personality. Man was therefore, spiritually and mentally perfected. The evolution of the Human Mind therefore, came to a close with the Holy prophet Muhammad (OWBP). It was only for this reason that revelation was closed for all time, and the prophet Muhammad (OWBP) placed a Seal on the line of prophets.

The revelations which were sent down upon the other prophets, were explained to the people in the language of the prophets, and not in the language in which it had been disclosed. But in the case of the last of the prophets (OWBP) the very words of the Almighty Lord were conveyed to the people in their minutest details and preserved for all times in the very manner they had been revealed to the messenger of God (OWBP). And the Lord Almighty took upon Himself to preserve and safe-guard them.

the door of revelation was kept open for the welfare of mankind. From the history of scriptures, it is not easy to make out the difference between the natural religion of man (Islam) and Kufr, especially in so far as it concerns the period before the time of NOAH. But indeed, in the time of Abraham, man had progressed to the stage of belief in One God, and had come to know several of his Attributes, as we see him making the following supplications to the Almighty Creator, " My Lord ! Show me how Thou givest life to the dead ? " (II : 260)

رب ارنی کیف تحی الموتٰی

Man in the time of Moses, had further progressed mentally and had acquired some further knowledge of the remaining Attributes of the Almighty Lord ; in fact, having actually experienced and witnesses all most all His Attributes, Moses now aspires for the Beatific Vision. We see him addressing the Almighty Lord, thus ; " O My Lord Show Thyself to me, that I may look upon Thee". (VII : 143)

رب ارنی انظر الیک

It clearly shows that one had advanced more than the other, in his knowledge of the Attributes of the Almighty Lord, and therefore, in his mental evolution. This is clear from the fact, that whereas, one demands to witness one Attribute only, the other wishes to see the Almighty himself ! This is certainly a definite progress in the mental development of the two prophets (OWBP), and Moses was far advanced in this respect. But still the mental evolution had not finalised. It was to persue its course further. It must also be appreciated that Abraham had prayed to witness a single Attribute only, whereas, Moses had beseached for a fuller vision of the Divine Being. The mental development had thus far progressed in the time of Moses, since the time of Noah and Abraham. Each one had desired to confirm his own belief in his own peculiar stage of development.

Now, during the gradual progress of evolution in the periods we have mentioned, it will also be noticed that the nature of commands from the Lord had from their original rudimentry forms changed to the form of more elaborate instructions in the time of our Holy Prophet (OWBP), because mental evolution had now reached its climax. The previous prophets had merely asked for the disclosure of certain Attributes ; or, in the case of Moses, the Divine vision itself. But Muhammad (OWBP) did

One and True God. Human minds which, from thence onwards refused to accept the unadulterated dogma of Tawhid (توحيد) remained immature; for, the culmination of mental evolution is to accept that there is no God but He. Unity is necessarily connected with perfection, as number and variety are the inevitable consequences of limitation and imperfection. It became necessary to improve the mental faculties of man in order to enable him to grasp with renewed strength the idea of One God, the sole Master of the universe. Man thus gradullay progressed towards the completion of his mental evolution. There is, therefore, One absolutely perfect Being, and that is the Almighty Creator. Great stress was hence laid on this doctrine of Tawhid, to enable man grasp as much of it as he could. It was the intention of God Almighty to make the Truth manifest ; this could only be done by finalising the evolution of the human mind. The concept to Tawhid is therefore, a measure of the completion of mental evolution of man. It is for this reason again, that Islam has laid the greatest stress on pondering over the works of creation, including man himself, to realise the majesty of the Lord Almighty. A knowledge of the existence of Almighty God, is therefore, a pre-requist to the mental development of man.

The time of Adam, it will be recalled, was the initial civilising period in the life history of man, and the time of Noah was a period in which man made a distinction between poly-theism and Unityism, i.e., Shirk and Tawhid. In other words it was the stage of transition to a higher mental state. Man had begun to receive something which he did not hitherto have. And he did receive it in such a way, that he knew it was being given to him. The content of this reception was Revelations, with which we shall presently deal. By the time of Noah, the foundations of a restricted Shariat (شريعت) had been laid to produce some dignity in society. It is the concept of the Almighty God and a belief in Him, which dignifies the beholder. (نوح) مالكم لاترجون لله وقارا which clearly indicates that if you place your trust in His Greatness He will dignify you. This concept of Tawhid had progressed in the time of Abraham, and similarly we see this concept further developing in the time of Moses, when the human mind had further evolved. It was thought necessary then that a law be now revealed to suit the increasing requirements of mankind which had enormously multiplied. Such directions were to cover the daily needs, inclusive of the religious urges ; and due to the expanding spiritual needs, the relationship between the body and mind was made clear to him, and thus

been revealed from time to time in piece meal from the time of Adam to the time of the last of the prophets (OWBP). The order of this revelation was Verses pertaining to morals (اخلاقیات), followed by Verses pertaining to the state (سیاسیات). It was a socio-political system based on sound moral foundations.

The society had at that stage been very simple, and only a few sins had been discovered, as we have already mentioned. Therefore, only simple laws were required to keep the society in a perfect state. Probably, the first law promulgated was the sacred relationship between man and woman in the form of a wife and husband, a distinction which probably did not exist before the time of Adam. Adam and Eve were also probably the first lawfully wedded couple ! As manking multiplied, the needs of this minature society grew and became complex ; sin multiplied and became grave. It made social relationship intricate, which in turn resulted in social chaos. When control was imposed upon man, it led him to think of the values of life round him, particularly because, he was surrounded by other human beings like himself, and upon whom his own conduct was reflecting.

As the time passed, man became conscious of an All Prevading Power. He percieved certain awe-inspiring phenomenon in the creation around him. He became conscious of an Almighty Being, which was controlling his destiny. Some instructions were required from time to time for the guidance of mankind, and these instructions could only be made practicable by awe-inspiring him, i.e., man. It is for the first time in the history of our scriptures, that we see in the time of Noah, some clear directions for the worship of One God. A clear concept of One God the Creator, the Destroyer, and the Sustainer, is the culmination of perfection of the mental development of man : it is the highest faculty of human mind. It is from here that we perceieve a stage of finalisation of evolution of the human mind taking a concrete form of the dogma of Tawhid (توحید). We therefore, see Noah condemning polytheism (شرک). Yet, and in spite of this, we find in the immediately following periods to Abraham, polytheism assuming philosophical proportions. Man's grasp on this subtle dogma was week. His mind was still being prepared to accept this concept. But man soon stumbled to worship other gods beside the One God Almighty. From thence onwards we see polytheism taking deep roots in the mind of man. Idol worship had become a common practice. Hence arose the necessity of guidance for the correct worship of the Only

which have reached perfection in man. These perfect proportions are the culmination of the process of evolution. There have been indeed no mal-proportions in the early man before Adam, as is sometimes made out from the discovered skeletal remains of various geological periods. Even what we call the pre-historic man had finally settled down in perfect symmetrical proportions before the time of Adam's inaugeration as the Vicegerent of God on earth.

It is sometimes put forward that the Jaw of the early man was much larger, and his Frontal bones more protruding. This is not due to any evolutionary discrepancy, but the Jaw had enlarged due to the extreme use of it on account of the raw type of food man was prone to eat before the days of the fire. Similarly if the Frontal bone protruded, it was more due to the demanour of the early man who was used to staring to keep himself vigilent. The climate also had effect on the skin and hair of man. They did not vary due to any inherent evolutionary process, but changed according to external circumstances of weather.

The physical evolution of man had thus come to a halt in the earliest man. And although, the physical evolution of man had come to a stand still, the mental state was yet in its infancy at the stage when man had become physically perfect. The conscious mind had not yet fully developed. Man was in the Unconscious, or the primitive state of mind. It is this aspect of the Man which requires closer study to finally localise the stage in which man achieved his mental and spiritual perfection. Let us study them dispassionately in some detail today.

At the time of Adam's inaugeration as the Vicegerent of God on earth, the human mind had not yet developed completely as we have said. The mind was even insuffeciently formed so as to be capable of inventing SIN in its entirety. The two prominent earliest instincts of man which influenced his life were the instincts of Sex and Hunger. The instinct or the urge to power came much later. Hence the earliest injunctions were meant to control his sexual life ; thereafter came rules regarding the lawful things which he could eat ; and lastly came detailed instructions regarding the government of ths state and man's dominions. Hence quite naturally the earliest sins that prevailed pertained to the urges of sex and hunger ! It would be interesting to note, that at the time the Holy Quran was being revealed the revelations which the Holy prophet Muhammad (OWBP) received, came down again in the same order, which had actually

FINALITY OF PROPHETHOOD AND THE EVOLUTION OF MIND

BY

LIEUT. COLONEL K. A. RASHID, A. M. C.

In the scheme of creation the process of evolution is an admitted fact. It is not our intention to enter into a detailed analysis of the different aspects of animal, vegetable, and mineral worlds ; we shall however, confine ourself to the study of the evolutionary aspects of man alone ; tracing his mental development from Adam to the last of the line of Prophets (OWBP). And without disputing either that man has undergone some sort of evolution in the initial stages of his development, let us consider for a moment whether that evolution is still continuing or has culminated in the final mental perfection of man, and also that he needs no further spiritual enhancement for the completion of the purpose for which he was created.

The Western, and some of our Eastern scholars seem to think, that man is yet imperfect, and is still evolving mentally and physically. Working on this presumption, they put forward the view that the shape of the future skull of man will vary in proportions to what it is today, so that his head will be much larger to accommodate the growing brain which would enlarge to adjust the increasing mental faculties of man. But, when we study the history of the intellectual development of man, this fact, does not appear to fit into the scheme of things. Nor do the Emergent and Creative evolutions go to support this hypothesis. And, in so far as, the physical development of man is concerned ; to say, that he is still evolving, is to set afloat a hypothesis which does not even possess a remote possibility of concurrence with any anthropological evidence.

Man's physical evolution stopped a very long time ago : in fact, this happened even before man (INSAN) grew to be called Adam ! Adam, besides being the culmination of the physical development of man to its logical perfection, had also acquired a receptive mind which could be instructed.

لقد خلقنا الانسان في احسن التقويم (والتين)

"We have created man (INSAN) in the best of proportions". The word TAQWEEM (تقويم) pertains to physical proportions alone.

مطبوعہ
پنجاب یونیورسٹی پریس
لاہور